# فضائلِ علم

جن میں علما اور عوام کی تعلیمی ذمہ داریاں بتائی گئی ہیں
اور علم دین حاصل کرنے کے فضائل، نیز علما و طلبا
کے مراتب سے آگاہ کیا گیا ہے۔

تالیف
حضرت مولانا محمد عاشق الٰہی بلند شہری رحمۃ اللہ علیہ



ویلفیئر اینڈ ایجوکیشنل ٹرسٹ (رجسٹرڈ)

# فضائلِ علم

تصنیف

حضرت مولانا محمد عاشق الٰہی بلند شہری دامت برکاتہم

ناشر

مکتبۂ دار العلوم کراچی ۱۴

# طبع سوم

رمضان المبارک ۱۴۰۶ھ — مئی ۱۹۸۶ء


باہتمام :

فاروق القاسمی

فاضل دیوبند۔ ایم، اے (عثمانیہ)

کتابت :

سید دلشاد حسین کاظمی

طباعت :

مشہور آفسٹ پریس کراچی

قیمت :


***

ملنے کے پتے

۱۔ مکتبہ دارالعلوم کراچی ۱۴

۲۔ دارالاشاعت، اردو بازار کراچی ۱

۳۔ ادارۂ اسلامیات، انارکلی نمبر ۱۹۰، لاہور

۴۔ ادارۃ المعارف، دارالعلوم کراچی ۱۴

19/1/2000
12/10/14 2008
10.05 P.M WED

# فہرست مضامین "فضائل علم"

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله الذي جعل العلماء ورثة أنبيائه
ورفع درجاتهم باستحفاظ القرآن واستذكار شريعته
من بين أصفيائه هداهم إلى سنن رسوله أفضل من
أرسل إلى الأمم وسيد من أوتي جوامع الكلم ومنابع الحكم
صلى الله تعالى عليه وعلى جميع الأنبياء والمرسلين الذين
هدوا إلى صراطه المستقيم ودعوا إلى دينه المتين
وعلى من سلك مسالكهم من العباد الصالحين والعلماء
العاملين

أما بعد، فهذه أربعون حديثا من أحاديث
سيد المرسلين صلى الله تعالى عليه وسلم تبين
شرف العلم وأهله وتكشف عن آداب العلماء والطلباء
وما لهم من الحقوق والفضائل وتصرح بما عليهم من

التخلق بأخلاق مورثيهم أعني الأنبياء عليهم الصلوٰة والسلام، وأرجو من الله الكريم أن يجعلني من أهل النضارة والسرور، ومن زمرة من حفظ على الأمة أربعين حديثاً ففاز بما ورد في ذلك من الفضل وظفر بما فيه من الأجر.

والله المستعان وعليه التكلان.

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

اَمّا بعدُ، یہ رسالہ چالیس حدیثوں پر مشتمل ہے، جن میں علم دین حاصل کرنے کے فضائل اور امتِ مسلمہ کے فرائض متعلقہ علم وعمل ذکر کئے گئے ہیں علم دین کی ضرورت واہمیت، علماء وطلباء کے فضائل اور ان کے اخلاق و آداب، نیز ان کی ذمہ داریاں بتائی گئی ہیں، سالہا سال سے اس رسالہ کے لکھنے کا قصد تھا، مگر جب اللہ نے چاہا اسی وقت افتتاح اور اختتام ہو سکا،

رسالۂ ہٰذا کی ترتیب یہ ہے کہ نمبروار حدیث لکھ کر اس کا ترجمہ اور پھر ضروری تشریح لکھی ہے، تشریحات میں بھی بہت سی حدیثیں درج ہو گئی ہیں جو اُن احادیث شریفہ کے علاوہ ہیں جن پر نمبر دیئے گئے ہیں،

خدمتِ حدیث کی توفیق اور اس کا ذوق وشوق جو اللہ تعالیٰ نے اس عاصی کو نصیب فرمایا ہے، اس کا شکریہ ہرگز ہرگز ادا نہیں ہو سکتا، پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کو عام فہم کرکے پیش کرنا دورِ حاضر کی اہم دینی خدمت ہے، اس خدمت کے لئے رب العالمین جل مجدہٗ نے حقیر وفقیر کو برسہا برس سے قبول فرما لیا ہے، جس کے نتیجہ میں چھوٹے

بڑے رسالے کثیر تعداد میں اس ناتواں کے قلم سے نکل کر مطبوع و مقبول ہو چکے ہیں، فللہ الحمد والمنۃ،

## دادا ورا قابلیت شرط نیست

چونکہ امتِ مسلمہ کی دینی بدحالی اور اس کے نتائج و ثمرات کا مشاہدہ اکثر سفر و حضر میں ہوتا رہتا ہے، اس لئے احادیث کی تشریح میں اس کا تفصیلی نقشہ پیش کرتے ہوئے مسلمانوں کی دینی ذمّہ داریوں اور ان سے عہدہ برآ ہونے کے نتائج و ثمرات کا تذکرہ کردینا بھی احقر نے ضروری سمجھا اسی وجہ سے رسالہ ہٰذا طویل ہوگیا ہے، اور بعض احادیث کی تشریح کے سلسلے میں بہت زیادہ مضمون لکھ دیا ہے جو "آورد" نہیں ہے، بلکہ "آمد" کا مصداق ہے، لہٰذا ناظرین کرام معذور جانیں،

"چہل حدیث" لکھنے کا سلسلہ بہت قدیم ہے، بعض علماء کا بیان ہے کہ سب سے پہلی چہل حدیث حضرت عبداللہ بن المبارک رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھی تھی، جنھوں نے ۱۸۱ھ میں وفات پائی، ان کے بعد بکثرت چہل حدیث کے مجموعے تالیف ہوئے جو مختلف موضوعات پر لکھے گئے، اور یہ سلسلہ برابر جاری ہے، کتبِ حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان نقل کیا گیا ہے کہ "جو شخص میری امت کے لئے اس کے دینی امور میں چالیس حدیثیں محفوظ کرے گا اللہ تعالیٰ اُسے قیامت کے روز عالم اٹھائیں گے، اور میں اس کے لئے گواہ اور سفارشی بنوں گا" یہ حدیث متعدد صحابہؓ سے مروی ہے، مگر سنداً ضعیف ہے، لیکن چونکہ فضائل

اعمال میں ضعیف حدیث پر عمل کرنے کی محدثین نے گنجائش رکھی ہے، اس لئے "چہل حدیث" لکھ کر روزِ قیامت کی مذکورہ بالا سرفرازی اور کامیابی کی امید میں علمائے کرام اُمت تک پہنچاتے رہے ہیں، اور بہت سے علماء نے چالیس۴۰ حدیثیں جمع نہ کیں، بلکہ سیکڑوں ہزاروں حدیثیں اپنی کتابوں میں لکھ دیں، یہ حضرات بھی "چہل حدیث" کی تبلیغ کا اجر پانے کے مستحق ہیں، کیونکہ سَو اور ہزار میں چالیس۴۰ کا عدد بھی موجود ہے،

ناظرین سے درخواست ہے کہ احقر کو اور احقر کے والدین کو اور اساتذہ کو دعاؤں میں یاد فرمائیں،

محمد عاشق الٰہی بلندشہری عفا اللہ عنہ
شعبان سنہ ۱۳۷۹ھ
کلکتہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# تصحیحِ نیّت اور اس کی اہمیّت

۱۔ عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ تَعَالیٰ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ وَاِنَّمَا لِامْرِیٍٔ مَّا نَوٰی فَمَنْ کَانَتْ ھِجْرَتُہٗ اِلَی اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ فَھِجْرَتُہٗ اِلَی اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَمَنْ کَانَتْ ھِجْرَتُہٗ اِلیٰ دُنْیَا یُصِیْبُھَا اَوِ امْرَاَۃٍ یَّتَزَوَّجُھَا فَھِجْرَتُہٗ اِلیٰ مَا ھَاجَرَ اِلَیْہِ،

(رواہ البخاری ومسلم)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ تعالیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اعمال نیتوں سے متعلق ہیں اور ہر آدمی کے لئے وہی ہے جس کی اُس نے نیت کی، پس جس کی ہجرت (اس کی نیت میں) اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف ہے سو اس کی ہجرت (اللہ کے نزدیک بھی) اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف ہے اور جس کی ہجرت (اس کی نیت میں) دنیا ملنے کے لئے یا کسی عورت سے نکاح کرنے کے ہے سو اس کی ہجرت (اللہ کے نزدیک بھی) اسی کی طرف ہے جس کی اس نے نیت کی (بخاری ومسلم)

بظاہر اس حدیث پاک میں علم کا ذکر نہیں ہے، مگر حقیقت یہ ہے

کہ ہر عمل سے اس کا تعلق ہے (علم سیکھنا اور سکھانا بہت بڑا عمل ہے، اس کے لئے بھی نیت کی درستگی لازم ہے، اگر نیت صحیح نہ ہوئی تو محنت نہ صرف ضائع ہوگی، بلکہ آخرت میں وبال اور عذاب کا ذریعہ بنے گی، علمائے حدیث نے فرمایا ہے کہ اس حدیث کو ہر کتاب کے اوّل میں لکھنا چاہیئے، جیساکہ حضرت امام بخاریؒ اور صاحب مشکوٰۃ رحمہما اللہ تعالیٰ نے کیا ہے، حضرت ابن مہدی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اگر میں کوئی کتاب لکھتا تو ہر باب کے شروع میں یہ حدیث لکھتا، بعض اکابر امت نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث آدھا دین ہے،

اوّل قاعدہ کلیہ بیان فرمایا کہ اعمال کی جزا و سزا کا تعلق نیتوں سے ہے، جیسی نیت ہوگی آخرت میں ویسا ہی پھل ملے گا، پھر مثال کے طور پر ہجرت کے متعلق نیت کی خوبی اور خرابی کا ذکر فرمایا جس وقت یہ حدیث ارشاد فرمائی تھی، اس وقت بہت سے مسلمان مکہ معظمہ سے ہجرت کرکے مدینہ منورہ پہونچ چکے تھے، اور جو باقی تھے ہجرت کر رہے تھے، اور چونکہ مکہ معظمہ میں اسلام پر چلنا دشمنوں کی شرارتوں کی وجہ سے ازحد مشکل ہوگیا تھا، اس لئے شرعاً اس وقت ہجرت کی بہت زیادہ ضرورت اور اہمیت بڑھ گئی تھی،

**مہاجر امّ قیس**

اسی زمانے میں ایک شخص نے ایک عورت کو نکاح کا پیغام بھیجا تھا، وہ شخص مکہ معظمہ میں اور عورت مدینہ منورہ میں تھی، عورت نے جواب دیا کہ تم مدینہ چلے آؤ تو نکاح ہو سکتا ہے، اس پر اس شخص نے مکہ معظمہ چھوڑ کر مدینہ میں سکونت اختیار کرلی اور

چونکہ ہجرت کا سلسلہ جاری تھا، اس لئے مکہ چھوڑنا بظاہر ہجرت شرعی سمجھا جاسکتا تھا، لیکن دوسرے مسلمانوں پر یہ راز کھل گیا اور اس شخص کو مُہاجر اُم قیس (یعنی اُم قیس عورت کا مہاجر) کہنے لگے، موقع کی مناسبت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا کہ جس کی ہجرت اپنی نیت میں اللہ ورسول کی طرف ہوگی اللہ کے نزدیک بھی اس کی ہجرت ایسی ہی سمجھی جائے گی اور اس ہجرت کا ثواب پائے گا، اور اگر کسی عورت سے نکاح کرنے کے لئے یا دُنیا کے کسی دوسرے نفع کی غرض سے وطن چھوڑا تو اس کا یہ عمل اللہ کے نزدیک بھی غرض دنیاوی ہی کے لئے لکھا جائے گا۔

ہر شخص کو چاہئے کہ اپنی نیت کا محاسبہ کرے اور غور کرے کہ وہ تعلیم کے مدرسوں اور تبلیغ کے مرکزوں سے وابستہ ہوکر جو ترکِ وطن کئے پردیس میں پڑا ہے اور دربدر کی تکلیفیں برداشت کر رہا ہے اس سے رضائے خداوندی مقصود ہے یا دنیاوی حالات کو درست کرنا، شہرت و مرتبہ کمانا اور پیسہ وصول کرنا مقصود ہے؟ حَاسِبُوْا قَبْلَ اَنْ تُحَاسَبُوْا۔

## طالب علم کیا نیت کرے؟

علامہ زرنوجی رحمہ اللہ تعالیٰ "تعلیم المتعلم" میں لکھتے ہیں کہ:-

ثم لابد له من النية في زمان تعلم العلم اذ النية هي الاصل في جميع الاحوال لقوله عليه الصلوٰة والسلام اَلْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ،

پھر طالب علم کے لئے ضروری ہے کہ علم حاصل کرنے کے زمانے میں نیت

کو درست رکھے تمام حالات میں نیت ہی اصل چیز ہے، کیونکہ حدیث
شریف میں ہے کہ اعمال کا مدار نیتوں پر ہے"

پھر چند سطر کے بعد لکھتے ہیں کہ:-

وینبغی ان ینوی المتعلم بطلب العلم رضا اللہ تعالیٰ والدار الآخرۃ وازالۃ الجہل عن نفسہ وعن سائر الجہال واحیاء الدین وابقاء الاسلام فان بقاء الاسلام بالعلم ولا یصح الزھد والتقوی مع الجہل (الی ان قال) وینوی بہ الشکر علی نعمۃ العقل وصحۃ البدن ولا ینوی بہ اقبال الناس الیہ ولا استجلاب حطام الدنیا والکرامۃ عند السلطان وغیرہ،

"علم حاصل کرنے سے طالب علم کی نیت اللہ تعالیٰ کی رضا مندی اور آخرت کی کامیابی ہونا چاہئے، اور یہ بھی نیت کرے کہ میں جہالت کو اپنے نفس سے اور دوسرے جاہلوں سے دور کروں گا، تاکہ میں اور تمام مسلمان علم کی روشنی میں اسلام پر چل سکیں، نیز علم کے ذریعہ دین کو زندہ رکھنے اور اسلام کو باقی رکھنے کی بھی نیت کرے، جہالت کے ساتھ زہد اور تقویٰ صحیح نہیں ہو سکتا، اور علم حاصل کرنے میں یہ بھی نیت کرنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے جو مجھے عقل عنایت فرمائی ہے اور بدن تندرست رکھا ہے اس کا شکر ادا کر رہا ہوں، علم سے یہ نیت نہ کرے کہ لوگ میری طرف متوجہ ہونگے اور دنیا کھنچ کر آئیگی، اور بادشاہ وغیرہ کے نزدیک علم کے ذریعہ عزت

علامہ زرنوجی رحمہ اللہ تعالیٰ کی اس تصریح سے واضح ہوا کہ طلب علم کی اصل غرض اللہ تعالیٰ کی رضا کو بنانا لازم ہے جو آخرت کی کامیابی کا ذریعہ ہے، علم دین حاصل کرنا حکم خداوندی ہے، اس حکم کی تعمیل سے اللہ تعالیٰ بلاشبہ راضی ہوں گے، جیسا کہ دوسرے احکام کی تعمیل سے راضی ہوتے ہیں، پھر تعمیل حکم کی نیت کے ساتھ اگر دوسری نیتیں بھی کرلیوے، تو ثواب پر ثواب کا اضافہ ہوتا چلا جائے گا، بعض نیتوں کو علامہ زرنوجی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بیان بھی فرمادیا ہے، یعنی ۱: خود جہالت سے محفوظ ہوتے ہوئے دوسروں کو جہالت سے بچاؤں گا، ۲: دین کو زندہ کروں گا یعنی اپنے علم کے ذریعہ احکام اسلامیہ کی تبلیغ کرکے احکام کے علم وعمل کو باقی رکھنے کا ذریعہ بنوں گا، درحقیقت یہ نیت بہت بڑے عمل کی نیت ہے، تحصیل علم کے بعد جب دین کے زندہ کرنے میں کوئی شخص لگے گا تو اس کا اجر وثواب جو کچھ ہوگا اس کی عظمت وبڑائی اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں، اس نیت سے اگر علم طلب کرتے کرتے موت آگئی تو اس کا مرتبہ حدیث شریف میں ارشاد فرمایا ہے کہ اس شخص کے اور نبیوں کے درمیان صرف ایک ہی درجہ کا فرق ہوگا، (یہ حدیث پوری عبارت اور ترجمہ کے ساتھ آئندہ اوراق میں ملے گی) ۳: تیسری بات علامہ زرنوجی رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ بتائی ہے کہ عقل کی نعمت اور بدن کی تن درستی کا شکریہ ادا کرنے کی نیت کرے، یعنی عقل بہت بڑی دولت ہے، اس دولت کا شکریہ یہی ہے کہ جس نے یہ دولت عنایت فرمائی ہے، اس کے

احکام کی تعمیل میں خرچ کی جائے، اور چونکہ سب سے بڑا حکم جس کی تعمیل پر باقی تمام حکموں کی تعمیل موقوف ہے، تحصیل علم دین ہے، اس لئے اس دولت کو دین سیکھنے میں لگانا بہت بڑا اشکر ہوا،

تحصیل علم کے سلسلہ میں نیت کا اثباتی پہلو بتا کر سلبی پہلو بتاتے ہوئے علامہ زرنوجی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ نیت نہ کرے کہ لوگ میرے معتقد ہوں گے، اور دنیا ملے گی یا عزت و مرتبہ ملے گا، کیونکہ اس قسم کی نیت سے علم حاصل کرنے کا وبال بہت بڑا ہے، نقل الزرنوجیؒ عن ابی حنیفۃ رحمہ اللہ انہ قال ؎

من طلب العلم للمعاد — فاز بفضل من الرشاد
فیا لخسران طالبیہ — لنیل فضل من العباد

## دنیا حاصل کرنے کیلئے علم دین سیکھنا

(۲) وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ تَعَالٰی صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَعَلَّمَ عِلْمًا مِمَّا يُبْتَغٰی بِهٖ وَجْهُ اللّٰهِ لَا يَتَعَلَّمُهٗ اِلَّا لِيُصِيْبَ بِهٖ عَرَضًا مِّنَ الدُّنْيَا لَمْ يَجِدْ عَرْفَ الْجَنَّةِ يعنی رِيْحَهَا (رواہ احمد وابوداؤد)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس علم کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی رضا تلاش کی جاتی ہے ایسے علم کو جس نے دنیا کا کچھ بھی سامان ملنے کے لئے حاصل کیا تو یہ شخص جنت کی خوشبو بھی نہ پائیگا"

یوں تو مسلمان کو سب کچھ اللہ ہی کے لئے کرنا چاہئے، لیکن خصوصیت

کے ساتھ ان کاموں کو تو ضرور ہی اللہ تعالیٰ کے لئے کریں جو صرف اللہ تعالیٰ ہی کی نسبت اور تعلق سے کئے جاتے ہیں، دینی اعمال نماز، روزہ، اذکار و اوراد صدقہ خیرات، حج، زکوٰۃ وغیرہ تو ایسے اعمال ہیں جن کو عام طور سے سب ہی اللہ تعالیٰ کے لئے انجام دینا ضروری سمجھتے ہیں، اور اُن کے ذریعے طلبِ مال وجاہ کو بُرا جانتے ہیں، مگر دینی علوم کو خالص اور صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے حاصل کرنے کی طرف بہت کم دھیان جاتا ہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تنبیہ فرمائی ہے کہ جس علم کا تعلق احکامِ خداوندیہ کے جاننے اور اُن کی تعمیل کے طریقوں کے پہچاننے سے ہو وہ علم صرف اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لئے مخصوص ہے یہ کونسا علم ہے؟ سب جانتے ہیں کہ یہ علم قرآن وحدیث اور ان علوم کے متعلقات ہیں، قرآن شریف حفظ و ناظرہ، تجوید، قراءت، ترجمہ وتفسیر، حدیث کے الفاظ و معانی، اصولِ حدیث، فقہ، اصولِ فقہ، مسائل و فتاویٰ ان سب علوم کو صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے حاصل کرنا لازم ہے،

ان علوم کی نسبت احکامِ خداوندیہ سے ہے جس نے ان علوم کو دنیاوی ساز وسامان، مال ومتاع حاصل کرنے کے لئے سیکھا، اس نے اپنا بہت بڑا نقصان کیا، محنت ومجاہدہ ضائع کیا، آخرت کے اجر اور درجات سے محروم رہا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ایسا شخص جنت میں تو کیا جائے گا جنت کی خوشبو بھی اُسے نہ پہنچے گی،

(علومِ دینیہ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے حاصل کرنا چاہئے اور بعد

میں معاش کے لئے کوئی ذریعہ اختیار کرتے ہوئے تعلیم و تبلیغ میں مشغول رہیں، اور اگر دوسرا مشغلہ اختیار کرنے میں تعلیمی خدمات کی انجام دہی میں فرق آتا ہو اور طالب علموں اور شاگردوں کا نقصان ہوتا ہو تو توکلاً علی اللہ تعالیٰ دینی خدمت کا سلسلہ جاری رکھیں اور اُمت کی طرف سے جو کچھ ملے صبر و شکر کے ساتھ اسی پر بس کریں، مگر نہ خود کو ملازم جانیں نہ وظیفہ کو تنخواہ سمجھیں اور نہ تنخواہ کی کمی بیشی کا سوال اٹھا کر بڑھانے کا سلسلہ ختم کریں۔)

## عِلمیّت جتانے یا معتقد بنانے کے لئے علم حاصل کرنا

M. auf

(۳) وَعَنْ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ طَلَبَ الْعِلْمَ لِيُجَارِيَ بِهِ الْعُلَمَاءَ اَوْ لِيُمَارِيَ بِهِ السُّفَهَاءَ اَوْ يَصْرِفَ بِهٖ وُجُوْهَ النَّاسِ اِلَيْهِ اَدْخَلَهُ اللّٰهُ النَّارَ۔ (رواہ الترمذی)

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس نے اس لئے علم حاصل کیا کہ عالموں سے مقابلہ کرے یا جاہلوں سے جھگڑا کرے یا لوگوں کو اپنی طرف جھکا دے اللہ تعالیٰ اس کو دوزخ میں داخل کریں گے۔

---

اس سے پہلی حدیث میں دنیا کا مال و متاع، ساز و سامان حاصل کرنے کے لئے علم حاصل کرنے پر وعید ارشاد فرمائی، اور اس حدیث میں مال و سامان کے علاوہ بعض دوسرے مقاصد کے لئے طلبِ علم کی مذمت

فرمائی ہے اور اس کے اُخروی عذاب سے آگاہ فرمایا ہے،

اللہ تعالیٰ کی رضا چھوڑ کر علم حاصل کرنے کا ایک مقصد دیگر مقاصد کے علاوہ اپنی شہرت اور نام آوری اور قابلیت کی دھاک بٹھانا بھی ہوتا ہے، اس مقصدِ بد کی پاداش میں داخلِ دوزخ ہونے کی خبر حدیث شریف میں دی گئی ہے، جب طالبِ علم کے لئے یہ وعید ہے کہ جو عالموں کو نیچا دکھانے کے لئے یا جاہلوں کو بیوقوف بنانے یا شہرت حاصل کرنے کے لئے علم سیکھے گا وہ داخلِ دوزخ ہوگا (حالانکہ ابھی ان چیزوں کی نیت ہی کی ہے) تو جو علماء ان بدترین مقاصد کے لئے تقریر و تحریر اور مناظرہ و مباحثہ میں لگے ہوئے ہیں ان کے لئے تو یہ وعید بدرجۂ اولیٰ ہوگی،

علم بڑی مشکل سے حاصل ہوتا ہے، بہت ٹھوکریں کھانا پڑتی ہیں، دُکھ، تکلیف جھیلنا پڑتا ہے، اگر سب کچھ جھیلا اور رضائے الٰہی مقصود نہ ہوئی تو آخرت میں بڑے خسارہ اور نقصان کا سامنا ہوگا، قال الزرنوجی وینبغی لطالب العلم ان یتفکر فی ذلک فانہ یتعلم العلم بجھد کثیر فلا یصرفہ الی الدنیا الحقیرۃ القلیلۃ الفانیۃ،

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بیشک قیامت کے روز جن لوگوں کے متعلق سب سے پہلے فیصلہ دیا جائے گا ان میں ایک وہ شخص ہوگا جو (میدانِ جہاد میں قتل ہونے کی وجہ سے) شہید سمجھ لیا گیا تھا، قیامت کے دن اسے لایا جائے گا، اس کے بعد اللہ تعالیٰ اس کو اپنی نعمتوں کی پہچان

کرائیں گے جن کو وہ پہچان لے گا (یعنی وہ نعمتیں اسے یاد آجائیں گی، جو
اللہ تعالیٰ نے دُنیا میں دی تھیں) اللہ جل شانہٗ اس سے سوال فرمائیں گے ک
تو نے ان نعمتوں کو کس کام میں لگایا؟ وہ عرض کرے گا میں نے آپ کے راست
میں یہاں تک جنگ لڑی کہ شہید ہو گیا، اللہ تعالیٰ شانہٗ فرمائیں گے تو نے
جھوٹ کہا (یعنی یہ کہنا تیرا غلط ہے کہ تو نے میرے لئے جنگ لڑی) بلکہ تو اس
لئے لڑا کہ تیرے متعلق یہ کہا جائے کہ بہادر ہے، سو (دنیا میں) کہا جا چکا،
اس کے بعد حکم ہوگا کہ اسے مُنہ کے بل گھسیٹ کر دوزخ میں ڈال دیا جائے
چنانچہ حکم کی تعمیل کردی جائے گی،

اور ایک وہ شخص بھی اُن لوگوں میں ہوگا جن کے متعلق سب سے پہلے
فیصلہ کیا جائے گا جس نے علم (دین) سیکھا اور سکھایا اور قرآن پڑھا، اسکو
قیامت کے روز لایا جائے گا، اس کے بعد اللہ تعالیٰ اس کو اپنی نعمتوں
کی پہچان کرائیں گے، چنانچہ وہ پہچان لے گا، اس سے اللہ جل شانہٗ فرمائیں
کہ تو نے ان نعمتوں کو کس کام میں لگایا؟ وہ جواب دے گا کہ میں نے علم حاصل
کیا، اور دوسروں کو سکھایا اور آپ کی رضا کے لئے قرآن پڑھا، اللہ جل شانہٗ
فرمائیں گے تو نے جھوٹ بولا، بلکہ تو نے اس لئے علم حاصل کیا کہ لوگ تجھے
عالم کہیں اور قرآن تو نے اس لئے پڑھا کہ تیرا نام ہو، سو (جو تیری خواہش تھ
اس کے مطابق) کہا جا چکا، اس کے بعد حکم ہوگا کہ اُس کو مُنہ کے بل گھسیٹ
دوزخ میں ڈال دیا جائے، چنانچہ حکم کی تعمیل کردی جائے گی،

اور ایک وہ شخص بھی ان لوگوں میں سے ہوگا، جن کا فیصلہ سب سے

پہلے کیا جائے گا جسے اللہ تعالیٰ نے بہت کچھ دیا تھا، اور مختلف قسم کی مالیات سے سرفراز فرمایا تھا، قیامت کے روز اُسے لایا جائے گا، اس کے بعد اللہ تعالیٰ اسے اپنی نعمتیں یاد دلائیں گے، چنانچہ وہ یاد کرلے گا، اللہ جل شانہٗ کا سوال ہوگا کہ تونے ان نعمتوں کو کس کام میں لگایا؟ وہ کہے گا کہ کوئی ایسا مصرفِ خیر میں نے نہیں چھوڑا جس میں خرچ کرنا آپ کو محبوب ہو، ہر کارِ خیر میں میں نے آپ کی رضا کے لئے اپنا مال خرچ کیا، اللہ جل شانہٗ فرمائیں گے کہ تونے جھوٹ کہا، (تونے میرے لئے خرچ نہیں کیا) بلکہ اس لئے خرچ کیا کہ تیرے متعلق کہا جائے کہ سخی ہے چنانچہ کہا جاچکا (اور تیرا مقصد پورا ہوگیا) اس کے بعد حکم ہوگا کہ اسے مُنہ کے بَل گھسیٹ کر دوزخ میں ڈال دیا جائے۔ چنانچہ حکم کی تعمیل کردی جائے گی، (مشکوٰۃ عن المسلم)

یہ حدیث ترمذی شریف میں بھی مروی ہے، اور اس میں یہ بھی اضافہ ہے کہ جب حضرت ابوہریرہؓ نے اس حدیث کی روایت کا ارادہ فرمایا تو (میدانِ حشر کے تصور سے) بیہوش ہوگئے، ہوش آنے پر بیان کرنا چاہا، تو دوبارہ بیہوش ہوگئے، پھر ہوش آیا اور تیسری بار بیان کرنے کا ارادہ فرمایا تو اس بار بھی بیہوشی طاری ہوگئی، اور اس کے بعد جب پھر ہوش آیا تو بیان فرمائی،

جب یہ حدیث حضرت معاویہؓ کو پہونچی تو فرمایا کہ جب ان تین شخصوں کے ساتھ ایسا ہوگا تو اُن کے علاوہ دوسرے اشخاص کے متعلق جن کی نیتیں اچھی نہ ہوں گی اچھا معاملہ ہونے کی کیا امید کی جائے، یہ فرماکر حضرت معاویہؓ

اس قدر روئے کہ دیکھنے والوں نے یہ سمجھ لیا کہ آج اُن کی جان جاکر رہے گی،

## علم دین کی ضرورت اور فرضیت

(۴) وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ تَعَالٰى صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَعَلَّمُوا الْعِلْمَ وَعَلِّمُوْهُ النَّاسَ تَعَلَّمُوا الْفَرَائِضَ وَعَلِّمُوْهَا النَّاسَ تَعَلَّمُوا الْقُرْاٰنَ وَعَلِّمُوْهُ النَّاسَ فَاِنِّيْ اَمْرُؤٌ مَقْبُوْضٌ وَالْعِلْمُ سَيَنْقَبِضُ وَيَظْهَرُ الْفِتَنُ حَتّٰى يَخْتَلِفَ اثْنَانِ فِيْ فَرِيْضَةٍ لَا يَجِدَانِ اَحَدًا يَفْصِلُ بَيْنَهُمَا، (رواہ الدارمی)

"حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا علم سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ، فرائض سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ، قرآن سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ، کیونکہ میں انسان ہوں جو اٹھا لیا جاؤں گا اور علم (بھی) عنقریب اُٹھ جائے گا، اور فتنے ظاہر ہوں گے (جن کی وجہ سے شریعتِ اسلامیہ سے ناواقفیت ہو جائیگی) حتیٰ کہ دو شخصوں میں اختلاف ہوگا تو اُن کو کوئی نہ ملے گا جو (احکام شریعت کے مطابق) ان کے درمیان فیصلہ کر دے۔"

اس حدیث پاک سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ علم کو باقی رکھنا، اور علمائے دین کو وجود میں لانے کے لئے کوشش کرتے رہنا اُمت کی بہت بڑی ذمہ داری ہے، شرعاً ہم کو حکم ہے کہ دین سیکھتے سکھاتے رہیں، اپنی

اولاد کو علوم دینیہ سے وابستہ کریں اور دینی مدارس کے چلانے اور ترقی دینے میں لگے رہیں، علماء اور طلباء کی خدمت و نصرت کی طرف دھیان دیں، اور دینی کتب پھیلانے کی تدبیریں کریں رہیں،

(۵) وَعَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِیْضَۃٌ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

"حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ تعالیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ علم کا طلب کرنا ہر مسلمان (مرد و عورت) پر فرض ہے۔"

اسلام سراسر عمل کا نام ہے، ماں کی گود سے لے کر قبر کے گڑھے میں پہونچنے تک احکام ہی احکام ہیں، حکم کی تعمیل چونکہ بغیر علم کے نہیں ہوسکتی اس لئے احکام دین کا جاننا اور احکام پر عمل کرنے کے طریقے معلوم کرنا انسان کا اولین فریضہ ہے، احکام خداوندیہ میں عقائد بھی ہیں اور عبادات بھی حقوق اللہ بھی اور حقوق العباد بھی، اور ہر ایک کو ٹھیک طرح انجام دینے کے لئے علم صحیح کی ضرورت ہے جس کے اصول و فروع کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے لئے گئے ہوں، جب کسی نے اپنے کو مسلمان سمجھ لیا تو اس پر فرض ہو گیا کہ اسلامی تعلیم کے مطابق اپنے عقائد درست رکھے اور اس کی ذات سے متعلق جو احکام و اعمال ہیں اُن کا علم حاصل کرے (نماز، روزہ ہر بالغ مسلمان پر فرض ہے، ان کے مسئلے اور ادائیگی کے طریقے جاننا بھی لازم ہے، وضو، غسل اور پاک کرنے کا طریقہ، پاک و ناپاک کی پہچان

اوقاتِ نماز، اور اس قدر قرآن شریف صحیح طریقہ پر پڑھ سکنا جس سے نماز کا فرض قرارت ادا ہو جائے، یہ چیزیں سب پر فرض ہیں، اسی طرح بیوی ہے تو شوہر کا حق پہچانے اور شوہر ہے تو بیوی کا حق جانے، ماں باپ اولاد کے اور اولاد ماں باپ کے حقوق کا علم حاصل کرے، حسد، بغض، کینہ، تکبر، بخل وغیرہ جو نفسِ انسانی کو ناپاک کرنے والی چیزیں ہیں اور شرعاً حرام ہیں، ان کے حرام ہونے کا علم ہونا اور ان سے بچنے کے طریقے جاننا بھی لازم ہے،

اسی طرح صاحبِ نصاب پر زکوٰۃ فرض ہے، اور زکوٰۃ کے متعلق مسائل کا علم بھی فرض ہے، اور جو شخص مکہ معظمہ تک سواری پر اپنے خرچہ کے ساتھ جا کر آسکتا ہو اس پر حج فرض ہے، اور حج کے مسائل جاننا بھی فرض ہے، جو تجارت کرتا ہے اس پر تجارتی مسائل کا علم اور جو حاکم ہے اس پر آئینِ شریعت کا علم فرض ہے، تاکہ تاجر بے خبری میں حلال کو حرام نہ کر لے اور حاکم ظلم کا فیصلہ نہ کر دے،

خلاصہ یہ ہے کہ ان ضروری روز مرہ کے فرائض کے علاوہ جن کا ہر مسلمان سے تعلق ہے ہر ہر شخص پر اُس کے ماحول اور متعلقین کے حقوق اور پیشہ اور حرفت اور مشغلہ کے متعلق احکامِ شریعت جاننا بھی فرض ہے، مرد و عورت، امیر و غریب، حاکم و محکوم، راجہ پرجا سب اس حکم میں برابر ہیں، پھر زندگی میں موقعہ بموقعہ جو حالات پیش آتے رہیں اُن کے بارے میں علماء سے پوچھ پوچھ کر عمل کرتے ہیں، اس زمانے کے لوگ صرف وضو غسل، طہارت، نماز، روزہ کے مسائل ہی کو اسلامی احکام سمجھتے ہیں،

اور اُن ہی کے سیکھنے اور سکھانے کو علم سے متعلق فریضہ کی ادائیگی سمجھ لیتے ہیں، اسی وجہ سے معاملات میں ہزاروں شرعی غلطیاں کرتے ہیں اور کارِ دبار حرام طریقے پر چلاتے ہیں، مگر اس سلسلہ میں مسائل دریافت نہیں کرتے نماز میں سہو ہوگیا تو سجدہ کا مسئلہ معلوم کرنے کے لئے عالم ومفتی کے پاس پہونچ گئے، اور اپنی تجارت وملازمت کے متعلق ذرا بھی نہیں سوچتے کہ اس بارے میں بھی کچھ حکم شرعی ہوگا، برسہا برس حج کو ٹالتے رہتے ہیں، اور جب بڑھاپا آنے پر حج کو روانہ ہوتے ہیں تو حج کے احکام ومسائل سیکھے بغیر ہی چل دیتے ہیں،

الحاصل! عقائدِ اسلامیہ اور ضروریاتِ دین کا علم حاصل کرنا عموماً اور ہر شخص کی ذات سے متعلقہ احکام ومسائل کا علم خصوصاً ہر شخص پر فرض ہے، اور پورے دین کا عالم ہونا یعنی مکمل احکام کا جاننا اور تفسیر وحدیث کا پورا پورا واقف ہونا فرضِ عین نہیں ہے، بلکہ فرض کفایہ ہے، علامہ زرنوجی رحمہ اللہ تعالیٰ تعلیم المتعلم میں لکھتے ہیں:۔

واما حفظ ما یقع فی بعض الاحایین ففرض علی سبیل الکفایۃ اذا قام بہ البعض فی بلدۃ سقط عن الباقین فان لم یکن فی البلدۃ من یقوم بہ اشترکوا جمیعاً فی الماثم فیجب علی الامام ان یامرھم بذلک و یجبر اھل البلدۃ علی ذلک،

"لیکن حفظ کرنا ان احکام کا جو وقتاً فوقتاً پیش آتے رہتے ہیں، سو یہ

فرض کفایہ ہے، جب کسی شہر میں اتنا علم رکھنے والا کوئی موجود ہو تو باقی مسلمانوں سے فریضہ ساقط ہو جائے گا، پس اگر شہر میں کوئی بھی ایسا نہ ہو جو حوادث و واقعات کے متعلق مسائل بتا سکے تو سب گنہگار ہوں گے، امام المسلمین یعنی امیر وقت پر واجب ہے کہ ان کو حکم دے اور مجبور کرے کہ ایسا عالم اپنے شہر میں رکھو، جو عند الضرورت واقعات و حوادث کے متعلق صحیح فتویٰ دے سکے "۔

اس تصریح سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں پر فرض ہے کہ اپنے اندر ایسے علماء پیدا کرتے رہیں جو پورے دین کے اصول و فروع سے واقف ہوں اور ہر قسم کے مسائل بتا سکیں، مگر مسلمانوں کا حال اس کے برعکس ہے، پورے پورے علاقے اور بڑے بڑے شہر خالی پڑے ہیں، جہاں روزمرہ کے ضروری مسائل بتانے والا بھی کوئی نہیں،

عورتوں پر وہ جہالت سوار ہے کہ فضول چیزوں بلکہ شرکیہ رسموں اور بیاہ شادی اور منگنی وغیرہ کی ہندوانہ باتوں کا پتہ تو سینہ بسینہ رکھنا ایسا ضروری سمجھتی ہیں کہ جس عورت کو ان خرافات و بدعات کا علم نہ ہو اس کو طعنے دیتی ہیں اور نکمی عورت سمجھتی ہیں، مگر نماز کے فرائض و واجبات بلکہ صحیح عقائد اسلام تک سے جاہل رہجانے کو ذرا بھی عیب کی بات نہیں جانتی ہیں، دوزخ میں جلیں تو پرواہ نہیں، مگر رسمیں اور بدعتیں ضرور پوری ہوں، انا للہ وانا الیہ راجعون،

اس زمانہ کے لوگ اول تو کسی ایسے مسلمان کی اولاد ہونے ہی کو مسلمانی

سمجھے ہوئے ہیں جو کئی سو سال پہلے گذر چکا ہو، عقیدہ اور علم و عمل سے واسطہ ہی کچھ نہیں، اور اگر کسی کو ذرا بہت دین کی طرف دھیان ہی تو بس نماز روزہ اور غسل و وضو تک ہے، بچّہ کو ناظرہ قرآن شریف ختم کرایا اور برس چھ مہینہ چھوٹا سا دینیات کا رسالہ پڑھا کر انگریزی اسکول کی ظالمانہ اور ملحدانہ گود میں پرورش کے لئے چھوڑ دیا، دنیا سے محبّت ہے، اس لئے دنیاوی معلومات حاصل کرنے کا بھی شوق ہے، جس علم سے دنیا ملے اس پر ریجھتے ہیں، برسہا برس خرچ کرتے ہیں اور اس کی تحصیل میں دولت لٹاتے ہیں، آخرت کی نہ محبّت ہے، نہ تمنّا ہے، نہ وہاں کے علوم و اعمال سے کوئی تعلّق ہے، اور اب تو ایک مصیبت یہ کھڑی ہو گئی ہے کہ انگریزی کالجوں اور یونیورسٹیوں کے بے علم مفتی سائنس و فلسفہ اور جغرافیہ وغیرہ کے جاننے ہی کو علمی فریضہ کی ادائیگی بتانے لگے، اور اپنے فتوے کی دلیل میں اطلبوا العلم ولو بالصّین[۵] کو پیش کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ دیکھو! مولوی لوگ دنیوی علوم کے پڑھنے پر زور نہیں دیتے، شریعت کا مقصد نہیں پہچانتے، حدیث میں ہے کہ "علم حاصل کرو اگرچہ چین ہی جانا پڑے" جس زمانے میں وَلَوْ بِالصِّیْن فرمایا ہے اس وقت چین میں قرآن و حدیث کا علم کہاں تھا؟ وہاں علوم دنیا سیکھنے کے لئے جانے کو فرمایا گیا ہے، یہ تقریر انگریز کے تربیت کردہ مفتیوں کی ہے،

---

۵ علم طلب کرو اگرچہ چین میں ملے ۱۲

میں عرض کرتا ہوں، یہ تو فرمائیے یہ حدیث کہاں ہے؟ ذرا حوالہ تو دیجئے، اگر آپ حوالہ نہ دے سکیں تو مولوی جی سنئے، اس حدیث کے متعلق صاحبِ مجمع البحار اپنی کتاب کے خاتمہ میں لکھتے ہیں کہ:۔

اطلب العلم ولو بالصين اسانيده ضعيفة، ابن حبان باطل لا اصل له، (ص ۵۱۰)

"علم طلب کرو اگرچہ چین میں ہو، اس کی سندیں ضعیف ہیں، محدث ابن حبان نے فرمایا کہ یہ باطل ہے اس کی کوئی اصل نہیں"۔

غور فرمائیے! جس حدیث پر عمل کرتے ہوئے آپ علوم دنیا کو فرض قرار دے رہے ہیں، ایک جلیل القدر محدث ابن حبان رحمہ اللہ تعالےٰ تو اس کو باطل قرار دیتے ہیں، اور فرماتے ہیں کہ اس کی کوئی اصل نہیں، یعنی آں حضرت سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اس کا ثبوت نہیں ہے، اگر ابن حبانؒ کی تحقیق سے اتفاق نہیں تو یہ تو کم از کم ہے، کہ اس حدیث کی تمام سندیں ضعیف ہیں، حافظ زین الدین العراقیؒ احیاء کی تخریج میں امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ متنہ مشهور واسانيده ضعيفة، یعنی اس حدیث کے الفاظ مشہور ہیں، اور اس کی سندیں ضعیف ہیں، آخر کیا وجہ ہے کہ مسائل واحکام (نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، تجارت وغیرہ) کے متعلق آیاتِ قرآنیہ اور صحیح الاسناد احادیثِ نبویہ (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ) پر عمل کرنے کو آپ کا دل نہیں چاہتا اور اس ایک حدیث پر عمل کرنے کے

لئے اس قدر بے قراری ہے کہ اس کا ضعیف الاسناد ہونا بھی آپ کو نہیں روکتا

آپ کے اس بے پناہ جذبہ کا باعث صرف یہ امر ہے کہ آپ کو دنیا اور علوم دنیا سے محبت ہی، اور آخرت اور علوم آخرت سے نفرت ہے، مقصد حدیث پر عمل کرنا نہیں ہے، بلکہ حدیث کی آڑ لے کر حبّ دنیا کے طبعی تقاضے کو پورا کرنا مقصود ہے،

اگر یہ حدیث حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہو تب بھی اس سے علوم آخرت کی تحصیل پر زور دینا مقصود ہے، یعنی دین سیکھنا لازم ہے، خواہ جس قدر بھی سفر کرنا پڑے، حتیٰ کہ اگر عرب چھوڑ کر بھی اس مقصد سے چین بھی جانا پڑے تو چل دو، چین کو بطور مثال ذکر فرمایا ہے، اور مقصد یہ ہے کہ جس قدر دور جانا پڑے چلے جانا،

باقی رہا یہ سوال کہ چین میں اس وقت علم دین کہاں تھا؟ میں عرض کروں گا کہ اُس وقت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہ چین بھیج رہے تھے نہ کسی صحابی نے اس حدیث کو سُن کر چین کا سفر اختیار کیا، چین محض بطور مثال ذکر میں آگیا، اور اگر آپ ضد کرتے ہی جائیں کہ چین ہی بھیجنا مقصود تھا اور علوم دنیا کی طرف متوجہ فرمانے کی غرض سے یہ حدیث ارشاد فرمائی ہی تو میں سوال کروں گا کہ اُس وقت چین میں وہ کونسی سائنس وغیرہ کی ترقی تھی جس سے دوسرے مُلک خالی تھے، اور جس کے لئے وہاں کا سفر کرنے کا حکم فرمایا گیا ذرا تاریخ دیکھکر بتائیے،

جہاں تک ہم کو معلوم ہے وہ تو یہ ہے کہ تاریخ میں چین کی نقاشی مشہور

ہی آپ انصاف سے فرمائیں کیا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی مبارک صحبت سے ہٹا کر درو دیوار اور برتنوں پر پھول، پتیاں اور طوطا مینا بنانے کی تعلیم کے لئے بھیجنا چاہا تھا؟ ایسی بات ہم تو نہیں کہہ سکتے، آپ ہی کو مبارک ہو، اگر کہا جائے کہ آپؐ کی صحبت چھوڑ کر صحابۂ کرامؓ نے جانا پسند نہ کیا تو میں عرض کروں گا کہ آپ کے بعد بھی صحابۂ کرامؓ پچاس برس تک دنیا میں تھے، انھوں نے اسلام اور مسلمانوں کی بڑی بڑی خدمات انجام دیں، مگر علوم دنیا سیکھنے کے لئے نہ چین تشریف لے گئے نہ جاپان، نہ یورپ پہونچے، نہ کسی دوسری جگہ کا سفر اختیار کیا، حدیث نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) کا صحیح ترین مطلب سمجھنے والے اور فرمانِ نبوی (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) پر سب سے زیادہ مضبوط اور پختہ طریقے پر عمل کرنے والے حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہی تھے: اگر انھوں نے یہ حدیث سن کر علوم دنیا کو اہمیت نہیں دی تو ہم کیوں اہمیت دیں، اُن کے زمانے میں اگرچہ دنیا کے علوم جدیدہ نہ تھے، مگر دنیاوی علوم قدیمہ تو بہرحال تھے،

ہاں اپنا اپنا دین وایمان رکھتے ہوئے اور اسلامی علوم واعمال سے وابستہ رہتے ہوئے کوئی مسلمان دنیاوی علوم حاصل کرے تو اس کی اجازت ملے، جس کی تفصیل انشاء اللہ ہم آئندہ حدیث کی تشریح میں لکھیں گے واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم،

# اصل علم تین چیزوں کا علم ہے

(۶) وَعَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ تَعَالٰی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْعِلْمُ ثَلٰثَۃٌ اٰیَۃٌ مُّحْکَمَۃٌ اَوْسُنَّۃٌ قَائِمَۃٌ اَوْ فَرِیْضَۃٌ عَادِلَۃٌ وَّ مَاسِوٰی ذٰلِکَ فَہُوَ فَضْلٌ۔ (رواہ ابوداؤد)

"حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اصل علم تین چیزوں کا علم ہے (۱) آیت محکمہ، (۲) سنتِ قائمہ (۳) فریضۂ عادلہ، اور ان کے علاوہ جو علم ہے ضرورت سے زیادہ ہے۔"

---

آیتِ محکمہ سے آیاتِ قرآنیہ مراد ہیں، محکمہ بمعنی مضبوط ہے، قرآن شریف کی تمام آیات مضبوط ہیں، کیونکہ اس کے الفاظ و معانی میں ذرا بھی خلل اور کجی نہیں ہے، اور اپنے دعاوی پر نہایت مضبوط دلائل پیش کئے ہیں، سورۂ ہود کے شروع میں ہے:۔ کِتٰبٌ اُحْکِمَتْ اٰیٰتُہٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَکِیْمٍ خَبِیْرٍ۔

محکم، متشابہ کے مقابل معنی کے لئے بھی آتا ہے اور غیر منسوخ کے معنی میں بھی لیتے ہیں، مگر یہاں یہ دونوں معنی مراد نہیں ہیں، کیونکہ..... قرآن شریف کی تمام ہی آیات کا علم اصلی علم ہے،

سنتِ قائمہ سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے احوال و

اعمال اور اقوال مراد ہیں، قائمہ بمعنی ثابتہ ہے، اس لفظ کے بڑھانے سے
اس طرف اشارہ ہے کہ ہر کس و ناکس کے کہہ دینے سے کسی چیز کو سنت سمجھنا
ٹھیک نہ ہوگا، بلکہ جو قول و فعل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت
ہو اسی کو سنت سمجھنا چاہئے،

"فریضۃٌ عادلۃٌ" یعنی فرائضِ دینیہ شرعیہ کا علم بھی اصلی علم ہے،
عادلہ بمعنی برابر ہے، قرآن و حدیث کے علم کے ساتھ فرائضِ دینیہ کو علیحدہ
ارشاد فرمایا، کیونکہ بعض احکام ایسے ہیں جو اجماعِ امت سے ثابت ہیں،
اور اُن پر عمل کرنا بھی فرض و لازم ہے، اور ان کا علم بھی قرآن و حدیث
کے علم کے برابر فرض ہے، اس لفظ کے بڑھانے سے علمِ فقہ و اصولِ فقہ کی
ضرورت ثابت ہوتی ہے، قال فی مجمع البحار عادلۃ ای مستقیم
وقیل مساویۃ لما ثبت بالکتاب والسنۃ فی الوجوب یستنبط
من الکتاب والسنۃ والاجماع والقیاس وھو شامل لجمیع
انواع الفرائض وما سواہ فھو فضل لاخیر فیہ الی آخر ما قال؛
جاننے کی چیزیں بہت ہیں، انسان کو عمرِ نوحؑ مل جائے اور علم حاصل
کرتا رہے تو چیزیں بچ جائیں گی، اور عمر ختم ہو جائے گی، اشد ضروری
سمجھ کر کس علم میں اوّلاً لگنا چاہئے جس سے بڑے نقصان سے حفاظت
ہو جائے، اور اہم ترین نفع حاصل ہو سکے، اس سلسلے میں ہزاروں رائیں
ہیں اور اَن گنت مشورے دینے والے ہیں، مگر رائے اور مشورہ اسی ذات
وحدہٗ لاشریک کا معتبر ہوگا، جس نے انسانوں کو اور اُن کی ضرورتوں اور

حاجتوں کو پیدا فرمایا جو ازل سے ابد تک سب کچھ جانتا ہے، جس کو ضروریات وحاجاتِ حاضرہ و آئندہ کے متعلق صحیح علم ہے کہ انسان کی کونسی ضرورت بڑی ہے اور کونسی چھوٹی ہے،

حدیث پاک خداوندِ قدوس کے قاصد و پیغامبر کا ارشاد ہے جس کی بعثت انسانوں کو صحیح معنی میں نفع و نقصان سے آگاہ کرنے کے لئے ہوئی، خدائے تعالیٰ شانہٗ کے پیغمبر (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نے فرمایا کہ "اصل علم تین چیزوں کا علم ہے، آیتِ محکمہ، سنتِ قائمہ، فریضۂ عادلہ اور اس کے علاوہ جو کچھ ہے ضرورت سے زائد ہے"۔

ہمارے زمانہ کے مغربیت زدہ لوگوں کی سمجھ کے مطابق تو اس حدیث کا مضمون صحیح نہ ہوگا، کیونکہ ان لوگوں کے نزدیک دنیا، دولتِ دنیا نعمتِ دنیا، علمِ دنیا، محنتِ دنیا، محبتِ دنیا ہی سب کچھ ہے، مابعد الموت کی دولت و نعمت پر نہ یقین ہے، نہ وہاں کامیابی دلانے والے علوم و اعمال سے تعلق و محبت ہے، ایسے لوگ اگر حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور ان کے وارثوں کے علوم کا مذاق اڑائیں، اور حقیر و بے حقیقت سمجھیں تو ذرا بھی جائے تعجب نہیں ہے لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ حق کسی کے ماننے سے حق نہیں ہوتا، بلکہ حق کی جیت یہی بہت بڑی ہے کہ وہ حق ہے، یہ حق ہے کہ اللہ تعالیٰ خالق الکل اور مالک الکل ہے، یہ حق ہے کہ مرنا ہے، یہ حق ہے کہ مرنے کے بعد زندگی کے اعمال و اقوال کا محاسبہ ہی، حساب وکتاب ہے، جزا و سزا ہے: دُکھ تکلیف ہے، آرام و

راحت ہے، اور یہ بھی حق ہے کہ دنیا کی تکلیفیں فانی ہیں، اور آخرت کے عذابوں سے اُن کو وہ نسبت بھی نہیں ہے جو ذرّہ کو پہاڑ سے ہے، اسی طرح دنیا کی نعمتیں اور دولتیں فانی ہیں، اور آخرت کی نعمتوں اور دولتوں کے سامنے ہیچ در ہیچ ہیں، اور یہ بھی حق ہے کہ آخرت کی لذتیں اور دولتیں دنیا یا حکومت و دولت اور عیش و عشرت والا ہونے سے نہ ملیں گی، بلکہ وہاں اُن اعمال کی قیمت اُٹھے گی، جو حکم خداوندی کے پیش نظر کیے گئے تھے، اور احکامِ خداوندی آیاتِ قرآنیہ اور احادیث نبویہؐ اور ان سے متعلقہ علوم کے جاننے سے معلوم و مکمل ہوتے ہیں، جس نے قرآن و حدیث اور ان دونوں سے ثابت شدہ) احکام و اعمال، فرائض و واجبات کا علم حاصل کیا، درحقیقت وہی ہوشیار اور صحیح معنی میں اپنی عمر کو مقصد میں لگانے والا ہے، کیونکہ اس نے اپنی سب سے بڑی ضرورت اور محتاجگی کا سامان کرلیا جو آخرت میں پیش آنے والی ہے، اور نہ صرف اپنا سامان کرلیا، بلکہ مخلوقِ خدا کو سکھا یا اور سمجھا کر شریک کامیابی بنا لیا، اس نے اپنی اور دوسروں کی واقعی ضرورت کا احساس کیا، اور اس کے لئے صحیح انتظام سوچا، دنیا کی ضرورتیں اور حاجتیں درحقیقت ضرورت و حاجت کہنے کے لائق ہی نہیں ہیں دوسرے فانی ہیں، اور فانی اس قدر بے وزن ہے کہ گویا اس کا وجود ہی نہیں، اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن و حدیث اور ان سے متعلقہ علوم کے علاوہ باقی علوم کو ضرورت سے زائد فرمایا، قرآن و حدیث اور فرائض دین

کا علم جاننے کیلئے جن علوم کی ضرورت پڑتی ہے مثلاً عربی صرف ونحو اور عربی لغات اور علم معانی وبیان بھی ضروری علوم میں شامل ہیں کیونکہ ضروری کا ذریعہ بھی ضروری ہوتا ہے،

باقی رہے وہ علوم جن کو علوم دنیا کہا جاتا ہے اُن کا حکم یہ ہے کہ کوئی شخص اگر جائز مقصد کے لئے حاصل کرتا ہے تو بعض صورتوں میں مباح اور بعض صورتوں میں مستحب کے درجہ تک اُن کی تحصیل کے متعلق فتویٰ دیا جاسکتا ہے، اور اسلام کی خدمت کے لئے کسی موقع پر ضرورت پڑجائے تو واجب بھی ہوسکتا ہے، مگر اسی شرط سے کہ ان علوم کو حاصل کرکے دین سے دُور اور اسلامی عقائد واعمال سے کورا نہ ہوجائے،

علمائے حق پر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ انھوں نے انگریزی پڑھنے کو حرام کہا اور کفر کا فتویٰ دیا، جس کی وجہ سے مسلمان ہندوؤں سے پچاس سال پیچھے رہ گئے، اور بامِ ترقی پر نہ پہونچ سکے، ان الزام لگانے والوں کو خدا کا تو خوف نہیں اور مخلوق میں کوئی اُن کی زبان پکڑنے والا نہیں، لہٰذا علمائے حق کے ذمہ جو چاہتے ہیں بہتان لگا دیتے ہیں،

میں پوچھتا ہوں ذرا حوالہ تو دیجئے! کس عالم نے اور کس زمانے میں انگریزی کے متعلق کفر یا حرام ہونے کا فتویٰ دیا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ علمائے حق نے انگریز بننے اور نصرانیت اختیار کرنے کو منع کیا تھا محض زبان سیکھنے اور علوم جاننے سے کسی نے نہیں روکا، علمائے حق ہمیشہ یہ کہتے رہے کہ اپنے عقائد واعمال پر مضبوطی سے جمنا پہلا فریضہ ہے، دنیاوی ترقی اور مال ودولت بعد کی چیز ہے، ہوسکتا ہے

کہ اسکولوں اور کالجوں کے ملحدانہ ماحول کو دیکھکر بعض علماء نے مطلق انگریزی پڑھنے ہی سے روکا ہو، اور اصولِ پیش بندی کے پیش نظر ان حضرات کا فتویٰ صحیح تھا، اسلام کے عقائد اور علوم و اعمال کی دولت پاس ہوتے ہوئے کوئی انگریزی سیکھے، سائنس و جغرافیہ پڑھے تو اس کو اختیار ہے، علمائے کرام کی باتوں پر دھیان دیتے تو آج مسلمانوں کی نسلیں الحاد و زندقہ اور فسق و فجور کا شکار نہ ہوتیں، یہ منکرینِ حدیث جو قرآن کی تحریف کر رہے ہیں کون ہیں؟ کیا بوریہ نشین علماء کے شاگرد ہیں؟ ہرگز نہیں، یہ کالجوں کے ملحدانہ ماحول کی پیداوار ہیں، پانچ نماز کو گھٹا کر تین نمازوں پر لانے والے، قربانی کو فضول خرچی قرار دینے والے اور روزہ ہمیشہ دسمبر میں ہونے کا فتویٰ دینے والے، اور ایک ماہ کے روزوں کو گھٹا کر صرف تین روزے رکھنے کو حکمِ خداوندی بتانے والے کون ہیں؟ کیا خدانخواستہ ایسی کفریہ باتیں عربی مدرسوں سے نکلی ہیں یا خانقاہوں سے اٹھی ہیں؟ نہیں جناب! یہ فتاویٰ اُن مفتیانِ کرام کے ہیں جو ہوش سنبھالتے ہی اسکول کے سپرد کر دیئے گئے، اور اسلام کے دشمنوں کی پرورش میں رہے، اعاذنا اللہ منہم،

یہ جو کہا جاتا ہے کہ علماء نے انگریزی سے منع کر کے مسلمانوں کو ترقی سے روک دیا، یہ اس وقت صحیح ہوتا جب کہ مسلمان انگریزی نہ پڑھتے شاید غیر منقسم ہندوستان کے پورے مسلم خاندانوں میں سے دو چار نے علماء کے کہنے سے انگریزی سے گریز کیا ہو (بالفرض اگر علماء نے مطلق

زبان دانی سے رد کا ہو)

مسلمانوں کی اکثریت جو انگریزی سے ناواقف ہے اس کا باعث علماء کا فتویٰ نہیں ہے، بلکہ انگریزی پڑھنے پڑھانے کے اخراجات اور اسباب کا میسر نہ آنا ہے، جس کے پاس روپیہ ہو اور سہولت ملے، وہ تو انگریزی پڑھنا پڑھانا جزوِ ایمان سمجھتا ہے، علماء کا فتویٰ اور مشورہ ماننے کی عادت کہاں ہے، وضو، غسل، نماز، روزہ وغیرہ تک ہی علماء کی ضرورت محسوس کرتے ہیں،

(یہ بات سچ ہے کہ مسلمان ترقی کے بجائے بہت زیادہ تنزل میں چلے گئے ہیں، لیکن اس کا سبب انگریزی تعلیم سے گریز کرنا نہیں ہے، بلکہ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ مسلمان صحیح معنیٰ میں مسلمان نہیں ہیں، فسق و فجور میں مبتلا ہیں اور غیر قوموں کی ٹیپ ٹاپ کی حرص کرنے لگے ہیں، اور اس خرابی کا باعث انگریزی تعلیم بھی ہے،

مسلمان کی ترقی خدائے پاک وحدہٗ لاشریک کی فرمانبرداری اور اس کے رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں ہے، دین و دنیا کی بلندی کا واحد ذریعہ صحیح مسلمان بن جانا ہے، حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی تاریخ ہمارے لئے عبرت ہے، دنیا کے علوم و فنون سے ناآشنا تھے، مگر ساری دنیا کو جہانبانی سکھا گئے، اور حقیقی تعلیم و تہذیب اور حقیقی ترقی کا پتہ دے گئے، اُن کے ایمان اور اعمالِ صالحہ کی قوتوں نے قیصر و کسریٰ کی حکومتوں کو پاش پاش کر دیا،)

الحاصل مسلمان رہتے ہوئے دنیاوی علم حاصل کر سکتے ہیں، اگر یہ اندیشہ ہو کہ ہمارا بچہ انگریزی پڑھکر صحیح مسلمان نہ رہ سکے گا تو ظاہر ہے کہ اس صورت میں اس کو انگریزی میں لگانا برباد کرنا ہے، بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہمارا بچہ انگریزی پڑھکر تبلیغ کرے گا، گذارش یہ ہے کہ اگر خود صحیح مسلمان رہ گیا تب ہی تو تبلیغ اسلام کر سکے گا جبکہ آپ نے اس کو تفسیر وحدیث اور دیگر علوم اسلامیہ کا ماہر بنایا ہی نہیں تو اسلام کا مبلغ کیونکر بنے گا؟ دینی تعلیم کا نام کرنے کے لئے نماز کی باتیں سکھا کر بچے کو دشمنان اسلام کے سپرد کر کے یہ امید رکھنا کہ مبلغ اسلام ہوگا فریب نفس نہیں تو کیا ہے؟ قرآن کی ایک صورت کا ترجمہ بھی نہیں سکھایا، احادیث شریفہ کی تعلیم نہیں دی اور ان ہی علوم کو حاصل کیا جن کو دشمن زیادہ جانتا ہے، تو کیا اس صورت اسلام کی تبلیغ کر سکے گا؟

ایں خیال ست و محال ست و جنوں

دین کے اصول و فروع جسے معلوم نہ ہوں وہ دین کا مبلغ تو نہیں ہو سکتا ہاں دین کے نام پر خواہشات کی تبلیغ کر سکے گا،

## دینی سمجھ انعام عظیم ہے

(۷) وَعَنْ مُعَاوِيَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، جسے اللہ تعالیٰ

مَنْ یُّرِدِ اللّٰہُ بِہٖ خَیْرًا یُّفَقِّہْہُ فِی الدِّیْنِ وَ اِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَّاللّٰہُ یُعْطِیْ،
(رواہ البخاری ومسلم)

بھلائی سے نوازنا چاہتے ہیں اُسے دین کا سمجھدار بنادیتے ہیں دپھر فرمایاکہ) میں بانٹنے ہی والاہوں اور اللہ تعالیٰ دیتے ہیں۔

اِس حدیث پاک میں دو اہم باتیں ارشاد فرمائی ہیں، اوّل یہ کہ اللہ تعالیٰ کی دینی و دنیوی، رُوحانی، جسمانی نعمتیں اپنی مخلوق پر بہت زیادہ ہیں، لیکن ان تمام نعمتوں میں (دولتِ ایمان کے بعد) جو بہت بڑی دولت ہے وہ دین کی سمجھ ہے، جسکو خصوصیت کے ساتھ بڑی دولت دینے اور برتری اور بھلائی سے نوازنے کا ارادہ باری تعالیٰ شانہٗ فرماتے ہیں اس کو دین کی سمجھ عنایت فرمادیتے ہیں، سب سے بڑی نعمت دُکانداری، مالداری، وزارت لیڈری، گورنری، شہرت، سحر بیانی نہیں ہے، بلکہ دین کی سمجھ ہے، جس کے سامنے تمام نعمتیں ہیچ ہیں، اور جو اللہ تعالیٰ کا خصوصی انعام ہے،

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے "دین کی سمجھ" فرمایا ہے، دینی سمجھ، دین کے اصول و فروع معلوم ہونے اور دینی زندگی اختیار کرنے اور دینداروں کی صحبت اٹھانے سے نصیب ہوتی ہے، بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ بہت زیادہ علم والا شرعی اشکال حل کرنے کے لئے گہری سوچ اور فکر میں پڑجاتا ہے، اور جسے دینی سمجھ ہوتی ہے جلدی حل کرلیتا ہے، جہاں علم دین ضروری ہے وہاں دینی سمجھ بھی ضروری ہے، دونوں آپس میں لازم وملزوم ہیں، محض سمجھ سے دین پر چلنا اور دین کے مطابق فیصلے کرنا اور فتوے

دینا درست نہیں ہو سکتا، دینی علم کی بھی ضرورت ہے، اسی لئے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صرف یفقھہ نہیں فرمایا بلکہ یفقھہ فی الدین فرمایا ہے، اس زمانے میں بہت سے لوگ ایسے ہیں جو تجارتی سمجھ یا وزارت چھیننے کی سمجھ یا سائنس کے ذریعے ایجاد کرنے اور ایجادات سے منتفع ہونے اور روپیہ جمع کرنے یا مکان بنانے کی سمجھ رکھتے ہیں، اور اسی حقیر سمجھ سے دین کی گتھیاں سلجھانا چاہتے ہیں، جس کی وجہ سے ایسے ایسے فتوی دیتے رہتے ہیں، جو سراسر غیر دینی ہوتے ہیں، اور اصول دین کے پیش نظر ان مفتیوں کو کفر کی حد تک پہنچا دیتے ہیں، ایسے نا سمجھ لوگ علمائے کرام کو بھی دین میں کتر بیونت کرنے کی دعوت دیتے ہیں، سلف صالحین پر فقرے کستے ہیں، قرآن شریف کی تحریف اور احادیث کریمہ کی تکذیب کرتے ہیں، جس کی وجہ صرف یہ ہے کہ سمجھ دار تو ہیں، لیکن دین کے سمجھدار نہیں ہیں، دینی سمجھ اور دینی علم دونوں سے خالی ہیں، اس لئے دین کے نام اور دین کے عنوان پر دین سے دور ہوتے چلے جا رہے ہیں، اور اسی نا سمجھی کا ایک یہ بھی مہلک نتیجہ ہے کہ دینی سمجھ اور دینی علم یورپ کے سیاسی نصرانیوں سے حاصل کرنے کو فخر سمجھتے ہیں ؎

ترسم کہ نہ رسی بکعبہ اے اعرابی
ایں رہ کہ تو میروی بانگلستان ست

دوسری بات جو اس حدیث شریف میں ہے کہ "میں بانٹنے ہی والا ہوں اور اللہ تعالیٰ دیتے ہیں" اس کا مطلب یہ ہے کہ دینی احکام و مسائل

علوم و معارف جو تم مجھ سے حاصل کرتے ہو یہ سب اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہے، سب کو وہی دیتا ہے میں تو واسطہ ہوں، اصل دینے والا خالق و مالک ہے، کسی کو بھی علم و عرفان کا سمندر دیکھ کر خدا سے غافل نہ ہو جاؤ، جس نے یہ علوم دیئے ہیں اس کی حمد کرو اور اسی سے مزید علم طلب کرو، (وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِي عِلْمًا)

## علمائے دین قابلِ رشک ہیں

(۸) وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا حَسَدَ اِلَّا فِي اثْنَيْنِ رَجُلٌ آتَاهُ اللّٰهُ مَالًا فَسَلَّطَهُ عَلٰى هَلَكَتِهٖ فِي الْحَقِّ وَرَجُلٌ آتَاهُ الْحِكْمَةَ فَهُوَ يَقْضِيْ بِهَا وَ يُعَلِّمُهَا، (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ رشک بس دو ہی آدمیوں پر ہونا چاہئے ایک وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ نے مال دیا ہو پھر اسے حق کے کاموں میں بے تحاشا خرچ کرنے پر لگا دیا، دوسرے وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ نے حکمت یعنی علمِ دین سے نواز دیا وہ اس حکمت کے ذریعہ فیصلے کرتا ہے، اور اس حکمت کی تعلیم دیتا ہے“

مطلب یہ ہے کہ دنیا اور دنیا میں جو بھی کچھ ہے اس کا قلیل و کثیر سب معمولی چیز اور بے حقیقت ہے کسی بھی صاحبِ دنیا کو دیکھ کر رشک کرنا نادانی ہے، ایک حدیث میں ارشاد ہے:۔

لا تغبطن فاجراً بنعمة فانك لا تدری ما هو لاقٍ بعد

موتہ ان لہ عند اللہ قاتلاً لایموت یعنی النار،⁵

کسی بددین کو کسی بھی نعمت میں دیکھ کر ہرگز رشک نہ کرنا، کیوں کہ تجھے پتہ نہیں ہے کہ موت کے بعد اس کو کن حالات سے دوچار ہونا ہے! بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے پاس اس کے لئے ایک جان کالیوا یعنی دوزخ ہے"،

قابلِ رشک بس آخرت کی چیزیں ہیں، پھر رشک اُس پر کرے جسے کرنہ سکے، جو عمل اپنے قبضہ کا ہے اسے انجام نہ دے، اور صرف رشک کیا کرے یہ حماقت اور بزدلی ہے، نماز، روزہ، ذکر، تسبیح، تلاوت ایسے اعمال ہیں کہ ہلدی، پھٹکری کچھ خرچ نہیں ہر شخص انجام دے سکتا ہے، ان اعمال میں کسی کو بڑھا ہوا دیکھے تو خود بھی کرنے لگ جائے، البتہ وہ کام جن سے دوسروں کو نفع پہونچے اور مخلوق کی دنیا و آخرت سُدھرے اور سنورے، اگر ایسے کام انجام دیتے ہوئے کسی کو دیکھے اور خود طاقت نہ ہو تو البتہ رشک کرے، اور یہ چیز قابلِ رشک اس لئے ہے کہ ذاتی اعمال انجام دیتے ہوتے مال سے اور علم سے خدمت میں لگنا بہت بڑی سعادت ہے، اور اس کے اجر و ثواب بے انتہا ہیں،

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حدیث بالا میں اسی حقیقت کا اظہار فرمایا ہے کہ مال اور علم تو ہزاروں لاکھوں کے پاس ہے صرف مالدا

---

⁵ مشکوٰۃ باب فضل الفقراء عن شرح السنۃ ۱۲

اور عالم ہونے سے کسی کو کیا نفع؟ ہاں اس مال اور علم کا اگر دہانہ کھلا ہو، اور مخلوقِ خدا سیراب ہو رہی ہو اور اپنی دینی و دنیاوی ضرورتوں کے لئے آنے والے محروم نہ جاتے ہوں تو یہ مال و علم درحقیقت قابلِ رشک ہے، ایسا بننے کی تمنا کرنا درست ہے، مگر مال کو گناہوں میں خرچ کرنے والے پر رشک کرنا گناہ ہے،

## معلّم و مبلّغ کے لئے دعائیں اور عابد پر عالم کی فضیلت

(۹) وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ الْبَاھِلِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ ذُکِرَ لِرَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رَجُلَانِ اَحَدُھُمَا عَابِدٌ وَّالْاٰخَرُ عَالِمٌ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ تَعَالٰی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَضْلُ الْعَالِمِ عَلَی الْعَابِدِ کَفَضْلِیْ عَلٰی اَدْنَاکُمْ ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ تَعَالٰی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ

حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں دو شخصوں کا ذکر ہوا (یعنی) ایک عابد کا اور ایک عالم کا، ان دونوں کا ذکر سن کر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسے میری فضیلت تم میں سے ادنیٰ مسلمان پر ہے اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے رحمت بھیجتے ہیں خیر سکھانے والے پر، اور

وَاَھْلَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ حَتّٰی النَّمْلَۃَ فِیْ جُحْرِھَا وَحَتّٰی الْحُوْتَ لَیُصَلُّوْنَ عَلٰی مُعَلِّمِ النَّاسِ الْخَیْرَ،

(رواہ الترمذی)

آسمان والے اور زمین والے یہاں تک کہ چیونٹیاں اپنے بلوں میں اور مچھلیاں تک (غرضکہ آسمان وزمین کے اندر بسنے والے تمام) خیر سکھانیوالے کے لئے رحمت کی دعا کرتے ہیں!

اس حدیث پاک سے خیر کی تعلیم دینے والوں کی فضیلت معلوم ہوئی اور چونکہ یہ فضیلت میراث نبوی (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی وجہ سے ہے اس لئے فضیلت بیان فرماتے ہوئے اس نسبت کو ملحوظ رکھا ہے، اور کفضلی علیٰ ادناکم فرمایا ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی فضیلت ادنیٰ ترین امتی پر کس قدر ہے؟ اس کا اندازہ ہم تو نہیں کرسکتے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بلند درجات کا اللہ تعالیٰ ہی کو علم ہے، پس جس طرح آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فضائل و درجات کا اندازہ ہم نہیں کرسکتے، اسی طرح عالم کی فضیلت جو عابد پر ہے وہ بھی ہمارے قیاس وگمان اور اندازے سے باہر ہے،

عالم کی فضیلت بیان فرماکر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی محبوبیت کا ذکر فرمایا، کہ جو شخص خیر کی تعلیم دیتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا پیارا ہے، اس پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہوتی ہے، فرشتے بھی اُسے چاہتے اور مانتے ہیں، اس کے لئے رحمت کی دعا کرتے ہیں، اور نہ صرف فرشتے بلکہ آسمان

وزمین کے بسنے والے سب ہی اس کی بھلائی کے خواہاں ہوتے ہیں، اور اس کے لئے دُعائے رحمت کرتے ہیں، چیونٹیاں اور مچھلیاں تک بھی اس کو دعائے خیر میں یاد رکھتی ہیں، مچھلیوں کا ذکر الگ سے شاید اس لئے فرمایا کہ یہ گمان نہ ہوجائے کہ دریائی چیزیں دُعائے رحمت میں شریک نہیں،

زمین و آسمان والے، چیونٹیاں اور مچھلیاں خیر سکھانے والے کے لئے کیوں دعاء کرتے ہیں! اس کی وجہ یہ ہے کہ جب تک دنیا میں اللہ تعالےٰ کا نام لیا جاتا ہے اُسی وقت تک یہ عالم آباد ہے، جب اللہ تعالیٰ کا ذکر اس دنیا میں نہ رہے گا تو یہ دنیا ختم ہو جائے گی، یعنی قیامت آجائے گی، پس چونکہ دنیات کے سکھانے اور پھیلانے والے اللہ کے ذکر کو باقی اور جاری رکھنے کا کام کر رہے ہیں اس لئے وہ دُعائے خیر کے مستحق ہیں، اُن کی تعلیم و تبلیغ بقائے عالم کا سبب ہے، جس سے آسمان وزمین اور جو کچھ اُن کے اندر ہے وہ سب زندہ اور باقی ہے، تو گویا اپنی بقاء میں چیونٹیاں اور مچھلیاں اور تمام آسمان وزمین والے معلّمین و مبلّغین کے احسان مند ہیں اور اسی احسان کے بدلے دُعاء کرتے ہیں،

سُنن دارمی میں ہے کہ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے بنی اسرائیل کے دو شخصوں کے متعلق سوال کیا گیا جن میں سے ایک عالم تھا اور فرض نماز پڑھ کر بیٹھ جاتا تھا، اور لوگوں کو بھلائی کی باتیں سکھاتا تھا، (نوافل کا اہتمام نہ کرتا تھا) اور

---

لے مؤکدہ سنتوں کا اہتمام سب کیلئے ضروری ہے، بنی اسرائیل میں سنتیں نہ تھیں، اس لئے صرف فرضوں کا ذکر ہے، ۱۲

دوسرا عبادت گزار تھا جو دن کو روزہ رکھتا تھا اور رات بھر نفل نماز میں کھڑا ہوتا تھا، سوال کا مقصد یہ تھا کہ آنحضرت ﷺ کس کے متعلق فضلیت ارشاد فرماتے ہیں؟ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو عالم فرض پڑھ کر لوگوں کو خیر سکھانے کے لئے بیٹھ جاتا ہے اس کی فضیلت اس عابد پر جو دن کو روزہ رکھتا ہے اور رات کو قیام کرتا ہے ایسی ہے جیسی میری فضیلت تم میں سب سے ادنیٰ درجہ کے مسلمان پر ہے (مشکوٰۃ شریف)

اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اپنے فرائض سے سبکدوش ہوتے ہوئے علم پھیلانے کی فضیلت ہے، جو اپنی نمازیں ضائع کرتا ہو یا دوسرے فرائض و واجبات کو چھوڑتا ہو اور اس وقت میں یہ سمجھ کر کہ میں عابد سے افضل ہوں تعلیم دینے میں لگا ہوا ہو ایسا عالم نفس کے دھوکے اور شیطان کے پھندے میں ہے،

یہاں یہ بات بھی ذکر کر دینا ضروری ہے کہ علمی فضیلت کے خیال سے فرصت و فراغت ہوتے ہوئے نوافل کا اہتمام نہ کرنا غلطی ہے، نوافل اگرچہ لازم و ضروری نہیں ہیں، مگر ان کے ادا کرنے سے علم و عمل میں نورانیت آتی ہے، کوئی للہ فی اللہ علمی مشغولیت میں لگا ہوا ہے اور نوافل کی فرصت نہیں ملتی، بلاشبہ اس کو نوافل چھوڑ کر علمی کام انجام دینا چاہیئے، مگر جس کو علمی مشغلہ کی انجام دہی کے ساتھ نوافل کی فرصت ملتی ہو اس کے لئے عالم ہونے کے غرور میں نوافل ترک کرنا بہت حسرتناک ہے،

# علماء اور طلباء کا مرتبہ

(۱۰) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ تَعَالٰی صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلَا اِنَّ الدُّنْیَا مَلْعُوْنَةٌ مَلْعُوْنٌ مَا فِیْهَا اِلَّا ذِکْرُ اللّٰهِ وَمَا وَالَاهُ وَعَالِمٌ اَوْ مُتَعَلِّمٌ۔ (رواہ الترمذی و ابن ماجہ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، خبردار بلا شبہ دنیا پر لعنت ہے، جو کچھ دنیا میں ہے، اس پر (بھی) لعنت ہے، مگر اللہ کا ذکر اور جو اس سے ملتا جلتا ہو اور عالم اور متعلم (لعنت میں شامل نہیں)

اس دنیا میں بہت کچھ چہل پہل، زیب و زینت اور ٹیپ ٹاپ ہے عہدے ہیں، حکومتیں ہیں، دولتیں ہیں، عزتیں ہیں، عیش کا سامان ہے، بلند عمارات ہیں، مگر یہ سب چیزیں اللہ تعالیٰ کے نزدیک نہ محبوب ہیں نہ مقبول ہیں، نہ اُن کی کوئی قدر و قیمت ہے، اور صرف یہی نہیں کہ بے قدر و قیمت ہیں، بلکہ پوری دنیا اور دنیا میں جو کچھ ہے سب ملعون ہے، سب پر اللہ کی لعنت ہے، لعنت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی رحمت سے دور ہے، اللہ کی پھٹکار میں ہے، بارگاہِ الٰہی سے دُھتکاری ہوئی چیز کو ملعون کہتے ہیں ملعون مفعول کا صیغہ ہے، جو لفظ "لعنت" سے لیا گیا ہے،

لیکن اس دنیا میں جہاں شر ہی خیر بھی ہے، طاعات و عبادات بھی ہیں اور گناہ و معصیتیں بھی، غافلین بھی بستے ہیں اور ذاکرین بھی،

رہتے ہیں، بُت خانوں میں گھنٹیاں بھی بج رہی ہیں اور مسجدیں بھی اذانوں
سے گونج رہی ہیں، کفر و شرک کے اڈے بھی موجود ہیں، اور مدارس و
مکاتب بھی آباد ہیں، تو اس صورت میں پوری دنیا و ما فیہا کو مطلقاً ملعون
قرار دینا بغیر استثناء کسی چیز کے درست نہیں ہو سکتا، اسی لئے حضور
اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دنیا و ما فیہا کو ملعون فرما کر اِلَّا ذِکْرُ
اللّٰہِ وَمَا وَالَاہُ الخ ارشاد فرمایا،

فرمانِ عالی شان کا حاصل یہ ہے کہ پوری دنیا میں اللہ کی نسبت
اور اللہ کے تعلق پر جس قدر کام ہوتے ہیں ان کو چھوڑ کر ساری دنیا اور
جو بھی کچھ دنیا میں ہے سب ملعون اور مردود ہے، خواہ کچھ بھی ہو اور کہیں
بھی ہو، فرد ہو یا جماعت، دولت ہو یا حکومت، اکثریت ہو یا اقلیت،
صدارت ہو یا وزارت، فقیری ہو یا تونگری، غرضکہ جو چیز بھی اللہ کے لئے
نہ ہو اور اللہ کے تعلق پر استعمال نہ ہوتی ہو، اور اللہ کی نسبت سے اس کو
وجود یا بقاء نہ ہو اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کا کوئی دام نہیں، میدانِ آخرت
میں اس کا کچھ نہ ملے گا، اور دنیا میں وہ چیزیں ملعونیت کے دن گذار رہی ہیں!

اللہ کی نسبت اور تعلق والی چیز دنیا میں کیا ہے (جو اللہ تعالیٰ کے
یہاں مقبول اور قیمتی ہے؟) اس کا جواب حدیث شریف میں بایں الفاظ
موجود ہے الا ذکر اللہ وما والاہ وعالما او متعلماً "یعنی اللہ کا ذکر
اور وہ باتیں اور وہ کام اور وہ چیزیں جو اللہ کے ذکر سے متعلق ہیں یہ سب
اللہ کے یہاں مقبول ہیں، ان کے بدلے میں بڑے بڑے اجور و ثمرات ملیں گے

علم دین کا واقف اور علم دین کا حاصل کرنے والا یعنی طالب علم بھی ذکر اللہ کے متعلقات میں ہے، لیکن اس کو خصوصیت کے ساتھ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے علیحدہ ذکر فرما کر علم دین اور اس کے علماء اور طلباء کی اہمیت اور افضلیت مستقل طور پر ظاہر فرما دی،

چونکہ ذکر اللہ اور وہ قول و عمل جو اللہ کی بارگاہ میں مقبول ہیں، اُن کی مقبولیت اور محبوبیت اسی وقت تک ہے جب تک کہ علم دین کے مطابق ہیں، اس لئے عالم و متعلم کو علیحدہ ذکر فرمانا ضروری ہوا، پھر چونکہ علم دین کا بقاء علماء دین اور متعلمین سے ہی ہے اس لئے بجائے علم کے عالم و متعلم فرما دیا،

اس زمانہ کے نام نہاد مسلمان سب سے زیادہ بغض و دشمنی علماء اور طلباء ہی سے رکھتے ہیں، علماء پر کیچڑ اچھالنا، اُن پر تہمتیں باندھنا، ان کی غیبتیں کرنا، اُن کو بُرا کہنا، اُن کے لئے بُرے القاب تجویز کرنا بہت عام اور دلچسپ مشغلہ بن گیا ہے، جو طلبہ دینی مدارس میں پڑھتے ہیں، اور برسہا برس دینِ متین کی تحصیل کے لئے خرچ کرتے ہیں اُن پر پھبتیاں کسی جاتی ہیں، جو حضرات عربی مدارس کا انتظام و اہتمام کرتے ہیں، اس سلسلے میں مالی کوشش کے لئے نکلتے ہیں، اُن کو حقارت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے، دین کے ان خادموں کو جہاں حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے علوم میراث میں ملے ہیں وہاں صبر و ضبط، تحمل، بردباری، کے بھی وارث ہیں، اُمت ہی کے لئے دُکھ اٹھاتے ہیں، اور مانگ مانگ کر

مدرسے چلاتے ہیں، اور امت ہی برا کہتی ہے، اگر ظرف کے کمزور ہوتے تو نادانوں اور دین کے دشمنوں کے اعتراضات اور حقارت آمیز فقرے سن کر خدمتِ دین کو چھوڑ بیٹھتے،

آہ! یہ کس قدر افسوس کی بات ہے کہ جن کے وجود سے علوم دین اور اعمالِ دین زندہ ہیں (اور ان علوم و اعمال کی وجہ سے عالم کا بقا ہے) ان ہی کو گالیوں کا تختۂ مشق بنایا جاتا ہے،

## علماء کا وجود، علم کا وجود ہے

(۱) وَعَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَقْبِضُ الْعِلْمَ اِنْتِزَاعًا یَنْتَزِعُہٗ مِنَ الْعِبَادِ وَلٰکِنْ یَقْبِضُ الْعِلْمَ بِقَبْضِ الْعُلَمَاءِ حَتّٰی اِذَا لَمْ یُبْقِ عَالِمًا اِتَّخَذَ النَّاسُ رُؤُسًا جُہَّالًا فَسُئِلُوْا فَاَفْتَوْا بِغَیْرِ عِلْمٍ فَضَلُّوْا وَاَضَلُّوْا،

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ علم کو اس طرح نہ اٹھائے گا کہ بندوں کے سینوں اور دلوں سے (یوں ہی) اٹھالیوے (کہ سب اہلِ علم زندہ رہیں اور بیٹھے بٹھائے یا سوتے ہوئے اُن کے دلوں سے علم نکل کر روانہ ہو جائے) بلکہ اللہ تعالیٰ عالموں کو موت دے کر علم اٹھالیں گے یہاں تک کہ جب کسی ایک عالم کو بھی

نہ چھوڑیں گے تو لوگ جاہلوں کو سرداری دیدیں گے (یعنی جاہلوں کو
قاضی، مفتی، امام، مرشد بنالیں گے) ان (جاہلوں) سے سوالات
کئے جائیں گے جس پر یہ لوگ بغیر علم کے فتوے دیں گے، اور (خود)
گمراہ ہوں گے اور (دوسروں کو) گمراہ کریں گے"

مطلب یہ ہے کہ جہاں جہاں علماء باقی ہیں وہاں اُن کی ذات سے علم بھی باقی ہے اُن کے وجود سے فائدہ اٹھانا لازم ہے، اپنے لڑکوں اور بچوں کو ان کے ساتھ لگائے رکھنا چاہیئے، اُن کی جگہ پُر کرنا خود ہماری ہی ذمہ داری ہے، جب ان کو موت آجائے گی علم اُن کے ساتھ چلا جائے گا، اسی طرح رفتہ رفتہ جب ہر علاقہ کے علماء ختم ہو جائیں گے اور اُن کی جگہ کوئی نہ لے گا تو جاہلوں ہی کو دینی عہدے سپرد کئے جانے لگیں گے، اور پھر اُس کے بُرے نتائج ضلال و اضلال کی صورت میں ظاہر ہوں گے، یہ عالم نما جاہل مفتی، پیر فقیر قاضی، مولوی، مرشد بجائے علومِ قرآنیہ اور معارفِ نبویہ کے اپنی رائے پر چلائیں گے، خود بھی گمراہ ہوں گے اور مخلوقِ خدا کی بھی راہ ماریں گے، آج بھی جن حلقوں میں علماء نہیں ہیں ایسا ہو رہا ہے،

## طالب علموں کیساتھ حُسن سلوک

(۱۲) وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ تَعَالٰی صَلّٰی

"حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ فخر عالم حضرت رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم

اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ النَّاسَ لَکُمْ تَبَعٌ وَّاِنَّ رِجَالًا یَّاْتُوْنَکُمْ مِنْ اَقْطَارِ الْاَرْضِ یَتَفَقَّہُوْنَ فِی الدِّیْنِ فَاِذَا اَتَوْکُمْ ..... فَاسْتَوْصُوْا بِہِمْ خَیْرًا، رواہ الترمذی)

نے (حضرات صحابہ رضؓ کو خطاب کرکے) ارشاد فرمایا کہ بے شک لوگ تمہارے تابع ہیں اور بے شک بہت سے لوگ ... تمہارے پاس زمین کے دور دراز گوشوں سے دینی سمجھ حاصل کرنے کے لئے آئیں گے، پس جب وہ تمہارے پاس آئیں تو ان سے اچھا سلوک کرنا"

یہ خطاب حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو فرمایا تھا، مطلب یہ ہے کہ تم نے مجھ سے دین سیکھا ہے، علومِ نبوّت کے عالم بنے ہو میرے بعد لوگ تم سے علم حاصل کریں گے اور عمل سیکھیں گے، جو تم بتادوگے اور جو کرکے دکھادوگے آنے والے اور دیکھنے والے اسی کی نقل کریں گے، اور اسی کو آگے پھیلائیں گے، علم حاصل کرنے کے لئے دور دور سے آئیں گے اُن کے آنے سے دل گیرنہ ہونا، اُن کو خوش رکھنا، اُن کی آمد کی قدر کرنا، ان کو علوم واعمال سے نوازتے رہنا، اُن کی دلداری اور خدمت ونصرت سے دریغ نہ کرنا حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اس نصیحت پر پورا پورا عمل کیا اُن کے بعد اُن کے شاگردوں اور پھر شاگردوں کے شاگردوں پر یعنی قیامت تک آنے والے تمام علمائے دین پر یہ فریضہ عائد ہوا، جس کی ادائیگی ہمیشہ علمائے حق کرتے رہے، اور انشاء اللہ تعالیٰ کرتے رہیں گے،

اکثر علماء علم سے تو نواز سکتے ہیں، مگر دوسری نوازشوں سے (جن کا

تعلق مال سے ہو، عاجز ہوتے ہیں، ایسے مواقع پران علماء کے احباء و اقرباء اور اہل شہر کو طالب علموں کی خدمت و نصرت کی طرف توجہ کر کے علم کے پھیلانے میں حصہ دار ہونا چاہیئے۔

## علماء ورثۃ الانبیاء ہیں

(۱۳) وَعَنْ كَثِيْرِ بْنِ قَيْسٍ قَالَ كُنْتُ جَالِسًا مَعَ اَبِي الدَّرْدَاءِ فِي مَسْجِدِ دِمَشْقَ فَجَاءَهُ رَجُلٌ فَقَالَ يَا اَبَا الدَّرْدَاءِ اِنِّي جِئْتُكَ مِنْ مَدِيْنَةِ الرَّسُوْلِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِحَدِيْثٍ بَلَغَنِي اَنَّكَ تُحَدِّثُهُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا جِئْتُ لِحَاجَةٍ قَالَ فَاِنِّي سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ سَلَكَ طَرِيْقًا يَطْلُبُ فِيْهِ عِلْمًا سَلَكَ اللّٰهُ بِهٖ طَرِيْقًا مِّنْ طُرُقِ الْجَنَّةِ وَ

"حضرت کثیر بن قیس (تابعی) کا بیان ہے کہ میں حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس دمشق کی مسجد میں بیٹھا ہوا تھا، کہ ایک صاحب اُن کے پاس آئے اور عرض کیا میں مدینہ منورہ سے آپکی خدمت میں ایک حدیث سننے کی غرض سے آیا ہوں، مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اس کی روایت کرتے ہیں، اس کے علاوہ میری آمد کا اور کوئی مقصد نہیں ہے، حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ تعالیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سُنا ہے کہ جو شخص کسی ایسے راستہ

وَاِنَّ الْمَلٰئِكَةَ لَتَضَعُ اَجْنِحَتَهَا
رِضًا لِّطَالِبِ الْعِلْمِ وَاِنَّ الْعَالِمَ
يَسْتَغْفِرُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ
فِي الْاَرْضِ وَالْحِيْتَانُ فِيْ جَوْفِ
الْمَاءِ وَاِنَّ فَضْلَ الْعَالِمِ عَلَى
الْعَابِدِ كَفَضْلِ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ
عَلٰى سَائِرِ الْكَوَاكِبِ وَاِنَّ الْعُلَمَاءَ
وَرَثَةُ الْاَنْبِيَاءِ وَاِنَّ الْاَنْبِيَاءَ
لَمْ يُوَرِّثُوْا دِيْنَارًا وَّلَا دِرْهَمًا
وَّاِنَّمَا وَرَّثُوا الْعِلْمَ فَمَنْ اَخَذَهٗ
اَخَذَ بِحَظٍّ وَّافِرٍ (رواہ احمد
والترمذی وسماہ الترمذی
قیس بن کثیر)

میں چلا جس میں علم طلب کرنا چاہتا
خدا اس کو جنت کے راستوں میں سے
ایک رستہ پر چلائے گا، (یعنی اسے
جنت میں لیجانے والے کسی اہم اور
عمل کا پابند بنا دے گا جس کے ذریعے
جنت کا داخلہ اس کیلئے آسان ہو جائے گا)
اور بے شک طالب علم کی خوشنودی
کے لئے فرشتے اپنے پروں کو رکھ دیتے
ہیں (یعنی اڑنا چھوڑ کر اللہ کی باتیں
سننے کے لئے اُتر آتے ہیں[عہ]) اور بیشک
عالم کے لئے آسمانوں والے اور زمین والے
استغفار کرتے ہیں اور مچھلیاں (بھی)
پانی میں (اس کے لئے) استغفار کرتی
ہیں، اور بلاشبہ عابد پر عالم کی فضیلت ایسی ہی جیسی چودھویں رات کے چاند کو
تمام ستاروں پر ہوتی ہے، اور بے شک علما نبیوں کے وارث ہیں، اور یہ یقین
جانو کہ نبیوں نے (کسی کو) دینار و درہم کا وارث نہیں بنایا، بلکہ صرف علم کا وارث
بنایا ہی، سو جس نے اس علم کو حاصل کیا اس نے بھرپور حصہ لے لیا"
اس حدیث پاک میں چند امور کا تذکرہ فرمایا ہے، جن کی تشریح و توضیح

عہ وقیل معناہ لبسط الجناح وفرشها لطالب العلم لیحملہ علیها ۱۲ من حاشیۃ الترمذی۔

مختلف مقامات پر اس رسالہ میں درج ہے، یہاں ہم حدیث مذکور کے آخری مضمون کی تشریح کرتے ہیں،

ارشادِ نبوی (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) ہے کہ اِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الْاَنْبِيَاءِ (بے شک علماء نبیوں کے وارث ہیں) حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں کے لئے ہادی اور داعی بن کر آتے تھے، اُنکی دعوت و ہدایت کا خلاصہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ کو پہچانو، اس کے احکام پر عمل کرکے مرنے کے بعد کی زندگی اچھی بنانو، دُنیا کی عبوری اور امتحانی زندگی کو معصیتوں سے ملوث کرکے خدائے پاک سے دور نہ ہو جاؤ، حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ اُنکے خاص خاص حواری اور فیض یافتہ اصحاب رہے وہ علومِ نبوت حاصل کرکے دوسروں کو سکھلاتے رہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سید الانبیاء والمرسلین ہیں، آپؐ کے علوم سب سے زیادہ ہیں، شریعت محمدیہ (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ) چونکہ تمام زمانوں اور تمام مکانوں (یعنی روئے زمین کے رہنے والے سارے انسانوں) کے لئے ہے، اس لئے اس کے احکام بہت زیادہ مفصّل ہیں، جو قرآن کریم اور احادیث شریفہ میں پھیلے ہوئے ہیں، حضرات صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین علومِ نبوت کے وارث ہوئے، پھر شاگردوں نے ان سے علوم حاصل کرکے آگے پہنچائے اور پھیلائے، اور مسلسل اسی طرح یکے بعد دیگرے علمی میراث جاری ہے جو قربِ قیامت تک رہیگی، حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین علومِ نبوت کے بلاواسطہ وارث ہوئے اور اُن کے بعد تابعین اور تبع تابعین

اور بعد کے علماء بالواسطہ وارث بنے،

حضرات علمائے کرام جب علومِ نبوت کے وارث ہوئے تو ان علوم کے لوازم بھی میراث میں مل گئے، جس طرح حضرت رسولِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم افضل البشر ہیں، اسی طرح آپؐ کے وارثین بھی دوسرے انسانوں سے افضل ہیں، حتیٰ کہ عابدوں پر بھی اُن کو فضیلت ہے، پھر جس طرح حضرات انبیاءِ کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو بُرا کہا جاتا رہا، ایذائیں دی جاتی رہیں اسی طرح اُن کے وارثوں کو بھی لوگوں کی طرف سے قسم قسم کی تکالیف پہنچتی ہیں اور طعنے سننے پڑتے ہیں، حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اولوا العزم اور صاحبِ صبر ہونے کے ساتھ ساتھ بنی نوعِ انسان کے لئے بہت زیادہ شفیق اور اُن کی ہدایت کے لئے انتہائی دردمند اور فکرمند ہوتے تھے، اسی طرح علمائے کرام بھی صبر و عزم، شفقت و محبت اور درد و فکر کے ساتھ دعوت و تبلیغ، اصلاح و تعلیم میں منہمک رہتے ہیں،

یہ علمائے حق کا ذکر ہے، علماءِ سوء کی طرف دھیان نہ لے جایئے، اور حدیث کے اسی جملہ (انّ العلماء ورثۃ الانبیاء) پر علمائے حق اور علماءِ سوء کو پرکھ سکتے ہیں، جو لوگ میراثِ علم کے وارث ہیں اگر وہ اصحابِ نبوت کی دوسری صفات کے بھی حامل ہیں تو یقین جانو کہ علمائے حق اور اپنے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے صحیح وارث اور خلیفہ ہیں،

(چونکہ عام لوگوں کے دلوں میں عموماً مال و دولت اور دنیوی جاہ و حکومت کی محبت پوری طرح گھر کئے ہوتے ہے، جس کی وجہ سے آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق بالکل ہی نہیں ہے یا بہت ہی کم ہے، اس لئے صاحبِ دولت اور صاحبِ حکومت سے علمِ دین کے وارث و عالم کو کمتر سمجھتے ہیں، اور بُری نگاہوں سے دیکھتے ہیں، اور میراثِ نبوی (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کو چھوڑ کر یونیورسٹیوں اور کالجوں کی ڈگریوں کا وارث ہونے کو بہتر اور اچھا جانتے ہیں، یعنی جو چیزیں اسلام کے دشمنوں کے نزدیک فضل و کمال سمجھی جاتی ہیں انہی کا وارث خود بننا چاہتے ہیں، اور اپنی اولاد کو اسی کے حاصل کرنے میں لگاتے ہیں، ان کے نزدیک میراثِ نبوت (العیاذ باللہ) گھٹیا انسانوں کے حاصل کرنے کی چیز ہے، بڑے بڑے حاجی، نمازی، صوفی، سیّد، صدیقی، فاروقی، چشتی، قادری، اور دینداری کے دعوے دار، اسی کشتی میں سوار ہیں، چونکہ دنیوی معلومات سے روپیہ پیسہ مل سکتا ہے، اس لئے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صاف فرمایا اِنَّ الْاَنْبِیَاءَ لَمْ یُوَرِّثُوْا دِیْنَارًا وَّلَا دِرْھَمًا وَاِنَّمَا وَرَّثُوا الْعِلْمَ (بلاشبہ نبیوں نے کسی کو دینار و درہم کا وارث نہیں بنایا، انھوں نے صرف علم کا وارث بنایا)، ہر مؤمن کو سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے اور اس کے رسول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) سے اور آخرت بنانے والے علوم و اعمال سے تعلق رکھنا لازم و ضروری ہے، علومِ نبوت کے سامنے مال و دولت اور ہر علم و ہنر ہیچ ہے، اگر اہلِ دنیا علومِ نبوت کا وزن نہ سمجھیں تو کم از کم علمائے کرام کو تو اپنے علم پر بہت خوش رہنا چاہئے، اپنے سے زیادہ کسی کو بھی صاحبِ نصیب اور غنی نہ سمجھیں، دنیا اور اہلِ دنیا کے سامنے ہرگز نہ جھکیں، اور یہ یقین

کریں کہ جو کچھ ہم کو ملا ہے نہ کسی صاحب حکومت کے پاس ہے نہ دولت مند کی تجوری میں ہے، نہ کوٹھی میں ہے نہ بنگلہ میں ہے، علم نبوت سب سے بڑا ہے، فَمَنْ اَخَذَہٗ اَخَذَ بِحَظٍّ وَّافِرٍ،

سعید بن سلیم سے مرسلاً روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کے نصیب میں قرآن آیا پھر اس نے اپنے سے زیادہ کسی کو نصیبہ ور جانا تو اس نے انعام کی تحقیر کی، جو اللہ تعالیٰ نے اسے دیا ہے،

تنبیہ :۔ اس حدیث شریف کے شروع میں قصہ نقل فرمایا گیا ہے کہ ایک صاحب مدینہ منورہ سے سفر کر کے ایک حدیث کا پتہ لگانے کے لئے دمشق پہنچے، مدینہ منورہ سے دمشق سیکڑوں میل ہے، اس زمانے میں دین سے اور علم دین سے ایسی ہی محبت تھی، جس کا آج ہزارواں حصہ بھی مسلمانوں میں نہیں پایا جاتا ہے، اس حدیث پاک سے تو ایک ہی قصہ ایسا معلوم ہوا، دوسری حدیثوں اور اسماء الرجال کی کتابوں میں طلب علم کے شوق اور شغف کے ان گنت واقعات ملتے ہیں کَثَّرَ اللّٰہُ فِیْنَا اَمْثَالَھُمْ ، امین،

مال و دولت وغیرہ ایسی چیزیں ہیں کہ خرچ کرنے سے کم ہو جاتی ہیں اور میراث علم کا وہ بلند مقام ہے کہ اس کو جس قدر بھی عام کر دی جائے عام ہو جائے گی، اور ذرا نہ گھٹے گی، نبیوں کی میراث کے مقابلہ میں سب میراثیں ہیچ ہیں، حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا ؎

رَضِیْنَا قِسْمَۃَ الْجَبَّارِ فِیْنَا
لَنَا عِلْمٌ وَّ لِلْجُھَّالِ مَالٌ

"ہم خدا کی تقسیم پر راضی ہیں جو اس نے ہمارے متعلق فرمائی ہے،
یعنی یہ کہ ہمارے لئے علم اور جاہلوں کے لئے مال مقرر فرمایا ہے"،

لِاَنَّ الْمَالَ یَفْنیٰ عَنْ قَرِیْبٍ
وَاِنَّ الْعِلْمَ بَاقٍ لَّا یَزَالُ

اس لئے کہ مال عنقریب فنا ہو جائے گا اور علم باقی رہے گا،
جسے زوال نہیں"

(حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک مرتبہ بازار پہونچے، وہاں کھڑے ہو کر زور سے فرمایا کہ "اے بازار والو! ایک بہت بڑی دولت کے حاصل کرنے سے کیوں عاجز ہو رہے ہو؟ لوگوں نے پوچھا وہ کون سی دولت ہے؟ فرمایا رسول اللہ تعالیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی میراث مسجد میں تقسیم ہو رہی ہے، اور تم یہاں کاموں میں لگے ہو، کیوں اس میں سے اپنا حصہ نہیں لیتے؟ یہ سنکر حاضرین جلدی جلدی مسجد پہونچے، اور ان لوگوں کے واپس آنے تک حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہیں ٹھہرے رہے، جب وہ لوگ (مایوسی کا مُنہ لئے) واپس آ گئے تو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، کیا بات ہے؟ لوگوں نے کہا کہ ہم مسجد پہونچے، وہاں دیکھا بھالا تو کچھ بھی تقسیم ہوتا نظر نہ آیا، فرمایا مسجد میں دیکھا بھی کسی کو؟ عرض کیا ہاں کچھ لوگ تلاوت میں مشغول تھے کچھ لوگ نماز پڑھ رہے تھے، اور ایک جماعت آپس میں حلال و حرام کے بارے میں گفتگو کر رہی تھی، یہ سُنکر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ افسوس! تم اتنی کھُلی ہوئی بات بھی نہ سمجھے، رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی میراث یہ نماز اور تلاوت اور علمی مذاکرہ ہی تو ہے، (ترغیب)

# علمِ دین صدقۂ جاریہ ہے

(۱۴) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِمَّا یَلْحَقُ الْمُؤْمِنَ مِنْ عَمَلِهٖ وَحَسَنَاتِهٖ بَعْدَ مَوْتِهٖ عِلْمًا عَلَّمَهٗ وَنَشَرَهٗ وَوَلَدًا صَالِحًا تَرَكَهٗ اَوْ مُصْحَفًا وَرَّثَهٗ اَوْ مَسْجِدًا بَنَاهُ اَوْ بَیْتًا لِابْنِ السَّبِیْلِ بَنَاهُ اَوْ نَهْرًا اَجْرَاهُ اَوْ صَدَقَةً اَخْرَجَهَا مِنْ مَالِهٖ فِیْ صِحَّتِهٖ وَحَیَاتِهٖ تَلْحَقُهٗ مِنْ بَعْدِ مَوْتِهٖ۔ (رواہ ابن ماجۃ والبیہقی فی شعب الایمان)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا بیشک ان چیزوں میں سے جو مومن کو موت کے بعد پہنچتی ہیں یعنی اس کے عمل اور اس کی نیکیاں، ان میں ایک تو علم ہے جسے اس نے حاصل کیا اور پھیلایا، اور وہ اولادِ صالح ہے جسے چھوڑ گیا، یا قرآن ورثہ میں چھوڑ گیا، یا مسافر خانہ تعمیر کر گیا، یا نہر جاری کر گیا، یا اپنے مال سے زندگی میں اور تندرستی کے زمانے میں ایسا صدقہ نکال گیا جو مرنے کے بعد اس کو پہنچتا ہے"

اللہ پاک کا یہ احسانِ عظیم ہے کہ مومن بندے جو نیک عمل کرتے ہیں، ان کا بھی اجر عنایت فرماتے ہیں، اور جن نیک اعمال کا مومن بندہ ذریعہ اور سبب بن جاتا ہے ان کا بھی اجر و ثواب دے کر نوازتے ہیں، اور مزید کرم یہ ہے کہ سبب بننے والے کو محض اپنے دریائے کرم سے ثواب کی دولت عنایت فرماتے ہیں، جس نے عمل کیا ہے اس کے اجر سے کاٹ کر نہیں دیتے

ہیں، (مِنْ غَیْرِ اَنْ یَّنْقُصَ مِنْ اُجُوْرِهِمْ) کسی نے علم دین حاصل کیا پھر اس کو پھیلایا تو اس کا یہ علم اس کے ذریعہ اور اس کے شاگردوں اور شاگردوں کے شاگردوں کے ذریعے تابقائے دنیا جہاں تک پہونچے گا اور اس پر عمل کرنے والے جس قدر بھی عمل کریں گے اس میں پورے علم و عمل کا ثواب اس شخص کو ملتا رہے گا، اگرچہ دنیا سے گذرے ہوئے اس کو صدیاں گذر جائیں، اور اس کے علم و فضل سے مستفید ہونے والے اس کو جانتے بھی نہ ہوں، مصنّفین و مبلّغین، مرشدین و معلّمین، واعظین و مقرّرین کیلئے بے انتہا اجر و ثواب کا میدانِ آخرت ہی میں پتہ لگے گا اہلِ دنیا اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے، دنیا والوں کے رواج میں ناپنے تولنے اور شمار کرنے کی جو انتہائی مقداریں مقرر ہیں ان میں اتنی وسعت کہاں کہ علم و عمل کے مبلّغین و ناشرین کے اجر و ثواب کو اندازہ میں لا سکیں، مگر اخلاصِ نیت شرط ہے، اگر نیت دنیا طلبی، نام آوری وغیرہ کی ہے تو سب کچھ نہ صرف بیکار بلکہ وبال ہے،

وہ نیکی جس کا اجر و ثواب برابر ملتا رہے گا شریعت کی اصطلاح میں اس کو صدقۂ جاریہ کہتے ہیں، حدیث بالا میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے علم پھیلانے کا تذکرہ فرما کر چند دوسری نیکیوں کا بھی ذکر فرمایا ہے، جن کا ثواب برابر بعد مرگ بھی ملتا ہے، اوّل صالح اولاد چھوڑ گیا، یہ اولاد نیک عمل کرتی ہے، ماں باپ کے لئے دعاء کرتی ہے، ماں باپ کی نیکیوں میں اضافہ ہوتا رہتا ہے، دوم قرآن شریف ترکہ میں چھوڑ دیا، یعنی اپنے پڑھنے کے لئے یا اولاد یا بیوی یا کسی دوسرے کی تلاوت کے لئے قرآن شریف لے کر

اس نے اپنے گھر میں رکھ چھوڑا تھا، دنیا سے کوچ کرگیا اور اپنے پیچھے جہاں دوسرا مال چھوڑا وہاں قرآن شریف بھی کسی وارث کے حصہ میں آگیا وہ اس میں تلاوت کرتا ہے، اس کے بیوی بچے پڑھتے ہیں، ان کو تو ثواب ملتا ہی ہے مگر وہ مرنیوالا جس نے اپنے ترکہ میں قرآن شریف چھوڑا تھا وہ بھی برابر اس تلاوت کی وجہ سے ثواب پارہا ہے، اگر قرآن شریف یا تفسیر و حدیث اور فقہ و فتاویٰ کی کتابیں مساجد و مدارس کے لئے وقف کردیں یا اپنے خرچہ سے چھپوا کرامت میں پھیلادیں تو یہ صورت بھی صدقہ جاریہ کے عظیم ثواب کا باعث ہے،

سوم مسجد بنادی، لوگ اس میں نماز پڑھتے ہیں، قرآن شریف کی تلاوت ہوتی ہے، ذکر و وِرد والے اپنے اذکار و اوراد پورے کرتے ہیں، تعلیمی حلقے بیٹھتے ہیں، وعظ کی مجلسیں ہوتی ہیں، ان سب چیزوں کے ثواب میں مسجد بنانے والے کا برابر حصہ لگا ہوا ہے، چہارم مسافرخانہ بنادیا، پنجم، نہر جاری کردی (یا کنواں کھدوادیا) جب تک مسافرخانہ مخلوقِ خدا کے کام میں آئے گا اور جب تک نہر (اور کنویں) کا پانی استعمال میں آتا رہے گا بنانیوالا ثواب پاتا رہے گا،

حدیث کے ختم پر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک عام بات بطور قاعدہ کلیہ کے ارشاد فرمادی اَوْ صَدَقَۃً اَخْرَجَھَا مِنْ مَّالِہٖ فِیْ صِحَّتِہٖ وَحَیَاتِہٖ تَلْحَقُہٗ بَعْدَ مَوْتِہٖ یعنی صدقہ جاریہ مذکورہ چند چیزوں پر ہی منحصر نہیں ہے بلکہ اگر کوئی بھی ایسا صدقہ کرگذرا جس کے نتائج و ثمرات باقی رہیں، تو اس کا ثواب برابر ملتا رہے گا،

# سب سے بڑا سخی

M. ...

(۱۵) وَعَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ تَدْرُوْنَ مَنْ اَجْوَدُ جُوْدًا قَالُوا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى اَجْوَدُ جُوْدًا ثُمَّ اَنَا اَجْوَدُ بَنِيْ اٰدَمَ وَاَجْوَدُهُمْ مِنْ بَعْدِيْ رَجُلٌ عَلِمَ عِلْمًا فَنَشَرَهٗ يَاْتِيْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَمِيْرًا وَّحْدَهٗ اَوْ قَالَ اُمَّةً وَّاحِدَةً،

(رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

(حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے (صحابہؓ سے) فرمایا، کیا تم جانتے ہو سب سے بڑا سخی کون ہے؟ عرض کیا اللہ اور اس کا رسول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) ہی خوب جانتے ہیں، فرمایا اللہ تعالیٰ سب سے بڑا سخی ہے پھر میں تمام انسانوں میں سب سے زیادہ سخی ہوں، اور میرے بعد سب سے بڑا سخی وہ شخص ہے جس نے علم حاصل کیا، پھر اس کو پھیلایا یہ شخص قیامت کے دن تنہا ایک اُمت کے برابر ہوگا۔)

---

اللہ تعالیٰ سب سے بڑے سخی ہیں، اس میں کیا شک و شبہ ہے، ہر ہر چیز کو اللہ جل شانہٗ نے ہی وجود بخشا ہے، اور ہر چیز کی پرورش رب العٰلمین جل مجدہٗ ہی فرماتے ہیں، بحر و بر، ارض و سما، اور ان کے اندر کی ساری مخلوق (اس کے علاوہ جو مخلوق ہے) سب کو اللہ تعالیٰ شانہٗ پالتے، پرورش فرماتے اور رزق دیتے ہیں، حدیث شریف میں ہے:۔

ارأيتم ما انفق منذ خلق السماء والارض فانه لم يغض

ما في يده (الحديث مشکوٰۃ شریف)

"تم ہی بتاؤ اللہ تعالیٰ نے کس قدر خرچ فرمایا جب سے آسمان و

زمین کی پیدائش فرمائی ہے اس قدر خرچ پر بھی حال یہ ہے کہ اس

کے قبضہ میں جو کچھ تھا ذرا نہیں کم ہوا"

جسمانی، روحانی، ایمانی، صوری، معنوی، ظاہری، باطنی، علمی، عملی،

فکری قوتیں اور صلاحیتیں جس قدر بھی مخلوق کے پاس ہیں اور جس قدر بھی

علوم و معارف کے کمالات سے بندے متصف ہیں سب اللہ جل شانہ، کا

عطیہ ہیں، جو سب سے بڑا سخی اور داتا ہے، ہر ایک کو اسی نے دیا ہے،

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ پھر میں تمام انسانوں

میں سب سے زیادہ سخی ہوں، یہ حقیقت بھی اہل شریعت و اصحاب طریقت

پر روز روشن کی طرح واضح ہے کہ دونوں جہان میں حضور اقدس صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم کے علوم و اعمال کے فیوض و برکات بے شمار ہیں، اس

عالم میں جب تک حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نسبت رکھنے

والے علوم و اعمال، اشخاص و افراد موجود ہیں، اسی وقت تک یہ دنیا

بھی قائم ہے، جب ایک متنفس بھی آپ سے نسبت رکھنے والا نہ رہے گا،

اس وقت دنیا و ما فیہا کی بقا خطرہ میں پڑ جائے گی، اور عنقریب ہی

قیامت قائم کر دی جائے گی، جس کی وجہ سے دنیا اور دنیا کی لذتیں

اور نعمتیں نیست و نابود ہو جائیں گی (لا تقوم الساعۃ علی احد

یقول اللہ اللہ) ہر مسلم و مومن، فاجر و کافر، ملحد و زندیق، منافق و منکر نبی الرحمۃ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بدولت جی رہا ہے، اور لذتوں و نعمتوں سے مستفید ہے، دنیا میں جس قدر بھی علوم و معارف، اعمال و اشغال، اوراد و اذکار، عبادتیں، ریاضتیں ہوتی ہیں، سب کا منبع اور مرکز آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی کی ذاتِ گرامی ہے، ہر عابد و زاہد، راکع و ساجد، قانت و مطیع کے لئے ضروری اور فرض ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اپنا رشتہ جوڑے، اور آپؐ کے علمی و عملی سخاوت کے سمندر ناپیدا کنار سے مستفید ہو، جس نے آپؐ کا دامن چھوڑا اس کی ہر محنت ضائع اور رائگاں ہے،

میدانِ حشر میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سخاوت شفاعت کبریٰ کی صورت میں ظاہر ہوگی جس کا دائرہ ہر اچھے برے کو شامل ہوگا، پھر جنت کا دروازہ بھی آپؐ ہی کھلوائیں گے، اور اس کے بعد جس کو اللہ تعالیٰ داخل فرمائیں گے داخل ہوتا جائے گا، (اَنَا اَوَّلُ مَنْ یَّقْرَعُ بَابَ الْجَنَّۃِ)

پھر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میرے بعد وہ شخص سب سے بڑا سخی ہے جس نے علم حاصل کیا، پھر اس کو پھیلایا، چونکہ یہ شخص علم میں بھی آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وارث ہوا اور علم کے پھیلانے اور پہونچانے میں بھی آپؐ کی نیابت کے فرائض انجام دیئے، اس لئے بڑے سخی کا نائب ہے، ظاہر ہے کہ بڑا سخی ہوگا، جن حضرات کی تعلیم و تبلیغ، تصنیف و تالیف سے عالم مستفید ہو رہا ہے، بلکہ انہی کے

دم سے اس عالم کی بقاء ہے، اہل دنیا ان کو نظر میں بھی نہیں لاتے، اور ریاکار مغرور دولت مندوں کے حقیر ترین مصارف کو دیکھکر بڑی..... مدح سرائی کرتے ہیں،

(حدیث شریف کے آخر میں ہے کہ "علم پھیلانے والا قیامت کے دن ایک امت کے برابر ہوگا" اس کی ذات سے ہزارہا افراد کو علمی و عملی نفع پہونچا اس واسطے اس کی حیثیت پوری ایک جماعت کے برابر ہوگی، اس کی تعلیم و تبلیغ کی وجہ سے جن لوگوں نے علم سیکھا اور عمل کیا، ان سب کا ثواب بھی پائے گا، اس لئے کثیر جماعت کے ثواب کا حق دار ہوگا، (اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ مِنْهُمْ)

## علماء اور حفّاظ شفاعت کرینگے

(۱۶) وَعَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ تَعَالٰى صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَشْفَعُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ثَلٰثَةٌ اَلْاَنْبِيَاءُ ثُمَّ الْعُلَمَاءُ ثُمَّ الشُّهَدَاءُ (رواہ ابن ماجۃ)

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے روز تین جماعتیں شفاعت کریں گی (۱) انبیاء (۲) علماء (۳) شہداء"

حضرت امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ احیاء العلوم میں اس حدیث کو نقل فرمایا کہ لکھتے ہیں کہ فاعظم بمرتبۃ تلو النبوۃ وفوق الشہادۃ

مع مادرد فی فضل الشہادۃ، یعنی اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے علما، کا مرتبہ نبیوں کے بعد اور شہیدوں سے پہلے بتایا ہے، شہیدوں کا کتنا بڑا مرتبہ ہے اس کو تو سب ہی جانتے ہیں، شہیدوں کے فضائل ذہن میں لاکر سوچئے کہ علمار کا مرتبہ جب شہیدوں سے بھی زیادہ ہے تو اللہ تعالےٰ کے نزدیک علمار کا مقام کس قدر بلند ہے۔

حضرت امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ حدیث بھی احیاء العلوم میں نقل فرمائی ہے کہ جب قیامت کا دن ہوگا تو اللہ تعالیٰ عابدوں اور مجاہدوں سے فرمائیں گے کہ جنت میں داخل ہو جاؤ، یہ ماجرا دیکھ کر علما، عرض کرینگے کہ اے اللہ ہمارے ہی علم کی برکت سے یہ لوگ عابد اور مجاہد ہوئے (پھر ان کو ہم سے پہلے جنت میں بھیجے جانے کی کیا وجہ ہے) اللہ جل شانہٗ فرمائیں گے کہ تم میرے نزدیک میرے بعض فرشتوں کی طرح ہو (ابھی) تم سفارشیں کرو تمہاری سفارشیں قبول کی جائیں گی، چنانچہ علما، سفارش کریں گے، اس کے بعد جنت میں داخل ہوں گے،

مشکوٰۃ شریف میں بحوالہ ترمذی وغیرہ حدیث نقل کی ہے کہ حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :-

مَنْ قَرَءَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَظْهَرَهٗ فَاَحَلَّ حَلَالَهٗ وَحَرَّمَ حَرَامَهٗ اَدْخَلَهُ اللّٰهُ الْجَنَّةَ وَشَفَّعَهٗ فِیْ عَشَرَةٍ مِّنْ اَهْلِ بَیْتِهٖ كُلُّهُمْ قَدْ وَجَبَتْ لَهُ النَّارُ،

جس نے قرآن پڑھا اور اسے خوب اچھی طرح یاد رکھا اور قرآن نے

جس چیز کو حلال بتایا ہے اس کو (عمل اور عقیدہ سے) حلال رکھا اور قرآن نے جس چیز کو حرام فرمایا ہے اس کو (عمل اور عقیدہ سے) حرام رکھا ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ جنت میں داخل فرمائیں گے، اور اس کے گھر والوں میں سے ایسے دس شخصوں کے حق میں اس کی سفارش قبول فرمائیں گے جن کے لئے (اعمالِ بد کی وجہ سے) دوزخ کا جانا لازمی ہو چکا تھا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جسے قرآن یاد ہو وہ بھی قیامت کے دن شفاعت کرنے کا حق دار ہو گا، لیکن شرط یہ ہے کہ قرآن پر عمل کرتا ہو، قرآن نے جن چیزوں کا حکم دیا ہے اُن کی تعمیل کرتا ہو، اور قرآن نے جن چیزوں سے روکا ہے اُن سے بچتا اور پرہیز کرتا ہو۔

اس زمانے کے لوگوں کی زبان پر یہ بہت مشہور ہے کہ حافظ سفارش کرے گا اور اس کا مرتبہ بلند ہو گا، لیکن اس کے اعمال اگر خراب ہیں تو اُن کی طرف نظر نہیں کرتے، بہت سے لوگ اس گھمنڈ پر نماز روزہ تک چھوڑے ہوئے ہیں کہ ہمارا بیٹا یا پوتا یا بھانجا یا بھتیجا حافظ ہے وہ بخشوا لے گا، اوّل تو یہ کیا ضروری ہے کہ آپ کے حق میں وہ سفارش ضروری کر دے گا اور پھر اس کا کیا یقین ہے کہ آپ کے حق میں سفارش کرنے کی اجازت اس کو مل ہی جائے گی، اور یہ بھی یقین نہیں کہ حافظ صاحب سفارش کے قابل نکلیں گے، آپ یہ سوچے بیٹھے ہیں کہ مجھے عمل کی کیا ضرورت میرا رشتہ دار حافظ بخشوا لے گا، پہلے حافظ صاحب تو ٹھیک ہوں وہ تو داڑھی منڈاتے یا کٹاتے ہیں، تراویح میں قرآن سنا کر رقمیں وصول کرتے ہیں، نماز تک کا

اہتمام نہیں کرتے۔

قرآن شریف خود بھی قیامت کے روز سفارش کرے گا، لیکن جنھوں نے اس کے احکام کو پسِ پشت ڈالا اور اس کے حقوق کی حفاظت نہ کی اُن پر دعویٰ کرے گا اور حقوق ضائع کرنے کی پاداش میں دوزخ میں گرادے گا۔ (القرآن حجة لك او عليك)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

القرآن شافع مشفع وماحل مصدق من جعله امامه قاده الى الجنة ومن جعله خلف ظهره ساقه الى النار (ابن حبان وغیرہ)

"قرآن ایسا سفارش کرنے والا ہے جس کی سفارش قبول کی جائیگی اور ایسا مدعی ہے جس کا دعویٰ تسلیم کیا جائے گا، جس نے اسے اپنے آگے رکھا، (یعنی پیشوا بناکر اس کے احکام کی تعمیل کی) اس کو جنت کی طرف کھینچے گا، اور جس نے اس کو پشت کے پیچھے ڈالا، اسے دوزخ میں گرادے گا"۔

قرآن شریف کا مطالبہ یہ بھی ہے کہ اس کی تلاوت کی جائے، اور یہ بھی ہے کہ اس کے احکام پر عمل کیا جائے، قرآن نے جن فرائض کا حکم دیا ہے اُن کو ترک کریں، اور جن کاموں کو قرآن نے حرام قرار دیا ہے اُن سے باز نہ آئیں، اور پھر بھی یہ امید رکھیں کہ قرآن سفارش کردے گا، یہ

جہالت اور بے جا امید ہے، ایک حدیث میں ہے کہ:۔

ما آمن بالقرآن من استحل محارمہ (مشکوٰۃ شریف)

"وہ قرآن پر ایمان نہ لایا جس نے قرآن کی حرام کردہ چیزوں کو حلال کر لیا" (مشکوٰۃ شریف)

اگر عقیدے سے حلال کر لیا تو کافر ہی ہو گیا، اور اگر عمل سے حلال کر لیا یعنی بے تحاشا حرام کاموں کا ارتکاب کرنے لگا تو مومن کامل نہ رہے گا، جبکہ قرآن کے خلاف چلنے والے کا ایمان ہی ناقص ہو تو کس منہ سے شفاعت کی امید ہے؟

# مسجدوں میں ذکر و علم کے حلقے

(۱۷) وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ بِمَجْلِسَيْنِ فِيْ مَسْجِدِهٖ فَقَالَ كِلَاهُمَا عَلٰى خَيْرٍ وَاَحَدُهُمَا اَفْضَلُ مِنْ صَاحِبِهٖ اَمَّا هٰؤُلَاءِ فَيَدْعُوْنَ اللّٰهَ وَيَرْغَبُوْنَ اِلَيْهِ فَاِنْ شَاءَ اَعْطَاهُمْ وَاِنْ شَاءَ مَنَعَهُمْ وَ

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا گذر اپنی مسجد میں دو مجلسوں پر ہوا ایک مجلس ذکر کی تھی اور دوسری مجلس علم (کی) ان کو دیکھ کر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دونوں مجلسیں اچھے کام میں مشغول ہیں (مگر) ایک مجلس دوسری سے افضل ہے، یہ لوگ

آنا هؤلاء فيتعلمون الفقه او العلم ويعلمون الجاهل فهم افضل وانما بعثت معلما ثم جلس فيهم ۔
(رواہ الدارمی)

(یعنی حلقۂ ذکر و دعا والے) اللہ سے مانگ رہے ہیں اور اس کی طرف راغب ہو رہے ہیں سو اگر اللہ چاہے تو ان کو دیدے اور چاہے تو نہ دیوے اور یہ لوگ (یعنی معلمین و متعلمین) علم سیکھ رہے ہیں اور انجان کو سکھا رہے ہیں، پس یہ ان (ذاکرین) سے افضل ہیں اور میں معلم ہی بنا کر بھیجا گیا ہوں، یہ فرما کر آپ ان ہی میں تشریف فرما ہو گئے"۔

اس حدیث مبارک سے معلوم ہوا کہ مسجد نبوی میں حضرات صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی مجلسیں دین سیکھنے سکھانے والی بھی ہوتی تھیں، اور دعا، مانگنے اور اللہ کی یاد کرنے کے لئے بھی مسجد میں بیٹھا کرتے تھے، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجلس ذکر و دعا پر مجلس علم کو فوقیت دی، اور اہل علم کا شرف ظاہر فرمانے کے لئے خود مجلس علم میں تشریف فرما ہو گئے۔ اور ان کی فوقیت اور فضیلت کی وجہ یہ ارشاد فرمائی کہ میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں، یعنی یہ لوگ میرا کام کر رہے ہیں اور میرے ذمہ جو کام ہے اس میں میرا ہاتھ بٹا رہے ہیں، ظاہر ہے کہ کار نبوت انجام دینا بڑی سعادت ہے، جو معلم ایمانیات یا معلم اعمال و اخلاق یا معلم عبادات ہیں مخلوق کی افضل ترین جماعت یعنی حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے نائب اور شریک کار ہیں،

ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد

فرمایا کہ جو شخص میری اس مسجد (یعنی مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم) میں آیا، اور اس کے آنے کا مقصد خیر کی بات سیکھنے یا سکھانے کے علاوہ اور کوئی دوسرا مقصد (دنیاوی) نہیں ہے تو یہ شخص فی سبیل اللہ جہاد کرنے والے کے مرتبہ میں ہے، اور جو شخص اس (غرض کے سوا کسی دوسرے مطلب (دنیاوی) سے آیا وہ ایسا ہے جیسے کوئی کسی غیر کے سامان کی طرف نظر کرے،

(مشکوٰۃ از ابن ماجہ و بیہقی)

معلوم ہوا کہ مسجد میں نماز کے علاوہ تعلیم و تعلم کا دھیان بھی ہونا چاہیے۔ مسجدیں صرف نماز ہی کے لئے نہیں ہیں، بلکہ دینی تعلیم کا سلسلہ بھی مساجد میں ہونا چاہیے، جو شخص مسجد میں نماز، ذکر، تعلیم و تعلم کے علاوہ کسی دنیاوی غرض اور نیت سے گیا اس کی..... ایسی ہی مثال ہے جیسے کوئی شخص غیر آدمی کے مال و متاع پر نظر کئے بیٹھا رہے، ظاہر ہے کہ اس کو کچھ بھی حاصل نہ ہوگا، ایسے بڑے دربار میں جاکر کچھ بھی آخرت جس نے نہ کمائی اس کی محرومی میں کیا شک ہے،

# عورتوں کی تعلیم و تبلیغ کے لئے وقت نکالنا

(۱۸) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ جَاءَتِ امْرَءَۃٌ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ تَعَالٰی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک صحابیہ حاضر ہوئیں اور عرض کیا یا رسول اللہ

يَا رَسُولَ اللهِ ذَهَبَ الرِّجَالُ بِحَدِيثِكَ فَاجْعَلْ لَنَا مِنْ نَفْسِكَ يَوْمًا نَأْتِيكَ فِيهِ تُعَلِّمُنَا مِمَّا عَلَّمَكَ اللهُ قَالَ اجْتَمِعْنَ فِي يَوْمِ كَذَا وَكَذَا فِي مَكَانِ كَذَا وَكَذَا فَاجْتَمَعْنَ فَأَتَاهُنَّ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَعَلَّمَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَهُ اللهُ ثُمَّ قَالَ مَا مِنْكُنَّ امْرَءَةٌ تُقَدِّمُ بَيْنَ يَدَيْهَا مِنْ وَلَدِهَا ثَلٰثَةً إِلَّا كَانَ لَهَا حِجَابًا مِنَ النَّارِ فَقَالَتِ امْرَءَةٌ مِنْهُنَّ يَا رَسُولَ اللهِ أَوِ اثْنَيْنِ فَأَعَادَتْهَا مَرَّتَيْنِ ثُمَّ قَالَ وَاثْنَيْنِ وَاثْنَيْنِ وَاثْنَيْنِ،

(رواہ البخاری)

آپ کی باتیں مردوں نے خوب حاصل کرلیں (اور ہم محروم رہی جاتی ہیں) لہٰذا اپنی طرف سے ایک دن ہمارے لئے آپ مقرر فرمائیں جس میں ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہوں (اور) آپ اُن معلومات میں سے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو دی ہیں ہم کو بتادیں، یہ سنکر آپ نے ارشاد فرمایا (اچھا) فلاں فلاں روز فلاں فلاں جگہ تم جمع ہوجانا،

چنانچہ مقررہ دن اور جگہ پر صحابی عورتیں رضی جمع ہوگئیں، اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وہاں تشریف لیگئے اور اُن کو اللہ کے دیئے ہوئے علوم میں سے (بہت کچھ) بتایا، پھر (آخر میں) فرمایا کہ تم میں سے جو بھی عورت اپنی زندگی میں تین بچے پہلے سے (آخرت میں) بھیجدے گی (یعنی تین بچوں کی موت پر صبر کرلے گی) تو یہ بچوں کا پہلے سے چلا جانا اس عورت کے لئے دوزخ سے آڑ بن جائے گا، ان میں سے ایک عورت نے سوال کیا، یارسول اللہؐ اگر دو ہی بچوں کو آگے بھیجا ہو؟ (یعنی کسی عورت کے دو بچے

فوت ہوئے اور انہی پر صبر کرنے کا موقع ملا تیسرے کی موت نہ آئی تو کیا دو بچوں پر صبر کرنے پر بھی یہی مرتبہ ہے؟) آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ابھی جواب نہ دینے پائے تھے کہ اس نے یہی سوال پھر دُہرا دیا، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا (ہاں) دو کے بھیج دینے کا بھی (یہی مرتبہ ہے) دو کے بھیج دینے کا بھی (یہی مرتبہ ہے) دو کے بھیج دینے کا بھی (یہی مرتبہ ہے) ۔

اس واقعۂ حدیث سے معلوم ہوا کہ اہل علم کو چاہئے کہ عورتوں کی تذکیر و تبلیغ اور تعلیم کا بھی دھیان رکھیں، خصوصاً جبکہ عورتوں کی درخواست ہو تو ضرور اُن کی درخواست منظور کریں، اور اُن کو دینی باتیں پہنچائیں، اور خصوصیت کے ساتھ ان باتوں پر زیادہ دھیان دیں جن کا عورتوں کی ذات سے زیادہ یا خصوصی تعلق ہو، بچہ فوت ہو جانے پر اگر صبر کرے تو ماں باپ دونوں کو اجر ملتا ہے، اور جو بشارت حدیث بالا میں ذکر فرمائی ہے وہ مردوں کو بھی شامل ہے، لیکن چونکہ ماں کو زیادہ صدمہ ہوتا ہے اور صبر کرنا اس کے لئے بہت زیادہ کٹھن ہے، اس لئے اس معاملے میں عورتوں کو صبر کی تلقین کرنا اور ثواب کی امید دلانا زیادہ ضروری ہے، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وعظ کے ختم پر خصوصیت کے ساتھ اسی لئے عورتوں کو بشارت سنائی،

حدیث بالا سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مبارک زمانے میں عورتوں کو دینی معلومات حاصل کرنے کا بڑا شوق تھا، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جب پہلے عورتیں جمع ہو گئیں تب اس کے بعد

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے، عورتوں کی مجلسِ وعظ میں جب کوئی مرد بیان کرنے جائے تو اس کے لئے سنّت طریقہ معلوم ہو گیا کہ جب سب عورتیں جمع ہو جائیں تب پہونچے، اس میں پردہ کا زیادہ اہتمام ہے، کیونکہ واعظ کی نظر کی حفاظت ہو گی، اور آنے والیوں پر نہ پڑے گی،

**فائدہ**: اس حدیث میں جو واقعہ نقل کیا گیا ہے اس میں تین بچوں اور دو بچوں پر صبر کرنے کا مرتبہ بتایا ہے، دوسری حدیثوں سے ثابت ہے کہ ایک بچہ پر صبر کرنا بھی دوزخ سے محفوظ ہونے کا ذریعہ ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے ایسے تین بچے اپنے آگے بھیج دیئے جو بالغ نہیں ہوئے تھے تو یہ بچے اس کے لئے دوزخ سے حفاظت کرنے کے لئے مضبوط قلعہ بن جائیں گے، حضرت ابوذرؓ صحابی بھی وہیں موجود تھے، انھوں نے عرض کیا میں نے تو دو ہی بچے آگے بھیجے ہیں، آپؐ نے فرمایا دو بچے آگے بھیجنے کا بھی یہی درجہ ہے، حضرت ابی بن کعبؓ نے کہا جن کا لقب "سید القرا" ہے کہ میں نے تو ایک ہی بچہ آگے بھیجا ہے، فرمایا ایک کے آگے بھیجنے کا بھی یہی درجہ ہے، (مشکوٰۃ شریف)

اور ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے بے شک گرا ہوا حمل بھی ناف کے ذریعے اپنی ماں کو کھینچ کر جنّت میں پہونچا دے گا، بشرطیکہ اس کی ماں نے اللہ تعالیٰ سے اجر و ثواب کی امید رکھی ہو (مشکوٰۃ شریف)

# مؤمن کو علم دین کا حریص ہونا چاہئے

(۱۹) وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ نِالْخُدْرِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَنْ یَّشْبَعَ الْمُؤْمِنُ مِنْ خَیْرٍ یَّسْمَعُہٗ حَتّٰی یَکُوْنَ مُنْتَہَاہُ الْجَنَّۃَ ۔ (رواہ الترمذی)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جنت میں پہنچنے تک خیر کے سننے سے مؤمن کا پیٹ ہرگز نہیں بھر سکتا۔

یعنی مؤمن کو عمر بھر طالب علم رہنا چاہئے، دین کی باتیں جس قدر بھی سنے اور سیکھے اور (علوم قرآن وحدیث جس قدر بھی حاصل کرے کبھی بس سمجھے موت آنے تک (جو دخولِ جنت کا ذریعہ ہے) برابر علمی ترقی کرتے رہنا چاہئے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمام مخلوق سے علم میں برتر اور اعلیٰ تھے، پھر بھی اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ یہ دعاء کریں :-

رَبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا (اے رب مجھے علمی ترقی عنایت فرما)

(۲۰) وَعَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِکٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْھُوْمَانِ لَا یَشْبَعَانِ مَنْھُوْمٌ فِی الْعِلْمِ

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دو حریص ایسے ہیں جن کا پیٹ نہیں بھر سکتا ایک علم کا حریص کہ اس کی سیری نہیں

لَا يَشْبَعُ مِنْهُ وَمَنْهُوْمٌ فِي الدُّنْيَا لَا يَشْبَعُ مِنْهَا (رواه البیہقی فی شعب الایمان)

نہیں ہو سکتی، دوسرا دنیا کا حریص کہ وہ دنیا سے سیر نہیں ہو سکتا۔

یہ مضمون حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی روایت کیا گیا ہے، انھوں نے یہ فرما کر کہ علم کا حریص اور دنیا کا حریص سیر نہیں ہو سکتا، یہ بھی فرمایا کہ:۔

ولا یستویان اما صاحب العلم فیزداد رضی للرحمٰن واما صاحب الدنیا فیتمادی فی الطغیان (مشکوٰۃ شریف)

"دونوں برابر نہیں ہو سکتے، علم والا تو زیادہ سے زیادہ رحمٰن کی رضامندی حاصل کرتا چلا جاتا ہے، اور دنیا والا سرکشی میں ترقی کرتا چلا جاتا ہے"

جس کو دنیا سے محبت ہو گئی مال کے بڑھانے، جوڑنے اور جمع کرنے کے پھیر میں پڑ گیا، یا جاہ و مرتبہ کے حاصل کرنے کے پھندے میں پھنس گیا، اس کی خیر نہیں، اپنے دین کو برباد کرے گا، اس کی نمازیں ترک ہوں گی، حرام و حلال کا دھیان نہ رہے گا، مال و جاہ کے ذریعہ زیادہ سے زیادہ گناہ کرے گا، اور برابر خداوند کریم کا باغی ہوتا چلا جائے گا، دنیا دار جو بھی گناہ کر گذرے کم ہے، ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

حب الدنیا رأس کل خطیئۃ (مشکوٰۃ شریف)

"دُنیا کی محبت ہر گناہ کی جڑ ہے"

خدا کو بھول جانا، مرنے کا دھیان نہ ہونا، آخرت کی فکر نہ ہونا دنیا کی محبت کا لازمی نتیجہ ہے، ہاں جس کے پاس حلال پیسہ ہے، یا جسے خدا کے فضل و کرم سے جاہ و مرتبہ ملا ہے اور ساتھ ہی اسے احکامِ خداوندی کا بھی دھیان ہے اور آخرت کا خوف ہے وہ سرکش نہ ہوگا، اس کو مال بڑھانے کی طرف دنیاداروں والی توجہ نہ ہوگی، احکامِ خداوندی کے پیشِ نظر دنیا کا نقصان ہوتا ہوگا تو بخوشی گوارا کرلے گا، نہ زکوٰۃ روکے گا، نہ نماز ضائع ہونے دے گا، اور چونکہ حرام و حلال کا دھیان ہوگا اس لئے دنیادار کے برابر اسے مالی ترقی نہ ہوگی،

دنیادار پیسہ کا غلام اور نام آوری کا طالب ہوتا ہے، جَمَعَ فَاَوْعٰی (جمع کیا اور بند کرکے رکھا) اور اَلَّذِیْ جَمَعَ مَالاً وَّعَدَّدَہٗ (جس نے مال جمع کیا اور گن گن کے رکھا) اس کا مذہب ہوتا ہے، مال گھٹ جانے کے خوف سے حج و زکوٰۃ ادا کرنے سے ہچکچاتا ہے، اور آج دس ہزار ان کل کو بارہ ہزار، سال بھر بعد ایک لاکھ، اسی طرح حساب جوڑتے جوڑتے مرجاتا ہے، اور کبھی طبیعت نہیں بھرتی، حضرت سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے سچ فرمایا ؎

| | |
|---|---|
| آں شنیدستی کہ وقتے تاجرے | در بیابانے بیفتاد از ستور |
| گفت چشم تنگ دنیادار را | یا قناعت پُر کند یا خاک گور |

بالکل اسی طرح علم دین سے رغبت رکھنے والوں کا حال ہے، علومِ دنیویہ

تفسیر وحدیث اور فقہ کے جاننے اور یاد کرنے میں عمریں گذار دیتے ہیں، پڑھا رہے ہیں، اور طلب علم میں بھی لگے ہوئے ہیں، جہاں کوئی مسئلہ یاد ہو گیا دل شاد ہوا، آیت وحدیث کے متعلق کوئی نکتہ ہاتھ لگ گیا خوش ہو گئے قرآن شریف حفظ ہے تو اس کے معنی سمجھ رہے ہیں، معنی سمجھ لئے تو معارف وحقائق کی جستجو ہے، احادیث حفظ کر رہے ہیں، محدثین کی تحقیقات معلوم کرنے کے درپے ہیں، فقہاء کے فتاویٰ کی چھان بین میں مصروف ہیں، غرض کہ علم کے سمندر پی چکے ہیں مگر صبر نہیں رجعلنی اللہ منھم آمین بحرمۃ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے کہ "علم سے مؤمن کا پیٹ نہیں بھرتا" لفظ "مؤمن" میں یہ بتایا ہے کہ علمی حرص کے لئے عالم یا اصطلاحی طالب علم ہونا ضروری نہیں ہے، بلکہ ہر مؤمن کو علم دین کا حریص ہونا چاہئے،

جس علم سے دنیا سنورتی اور ترقی پاتی ہے وہ بھی تحصیل دنیا ہی میں شامل ہے، میٹرک سے لے کر بی اے، ایم اے، بی اے، بی ٹی، پی ایچ ڈی وغیرہ کی ڈگریوں کی طلب وتحصیل میں بڑی بڑی دولتیں اور لمبی لمبی عمریں خرچ کی جاتی ہیں، گو یہ خرچ علم کے نام پر ہوتا ہے تحصیل جنت کے لئے نہیں، بلکہ تحصیل دنیا کے لئے ہوتا ہے، جس کی ایمان اور مؤمن کے ساتھ کوئی خصوصیت نہیں، غیر مؤمن بھی یہ ڈگریاں حاصل کرتے ہیں، اور دنیا میں کامیاب ہوتے ہیں، گویا لفظ "مؤمن" سے اس طرف

بھی اشارہ ہے کہ جس علم کی حرص مؤمن کو ہوتی ہے اور ہونی چاہیے اس سے وہ علم مراد ہے جس کا ایمانیات سے تعلق ہو، اسی لئے لَنْ یَشْبَعَ الْمُؤْمِن مِنْ خَیْر فرمایا ہے، یعنی علم کی جگہ لفظ "خیر" استعمال ہوا ہے، اور معلوم ہے کہ قرآن و حدیث کی اصطلاح میں لفظ "خیر" آخرت میں کام آنے والی چیزوں کے لئے مستعمل ہوتا ہے،

کسبِ دنیا کی نیت سے بہت سے لوگ یونیورسٹیوں کے مروّجہ مولوی عالم کے امتحانات دے کر اسکولوں اور کالجوں کی ملازمتیں حاصل کر لیتے ہیں، اور چونکہ ذرا بہت دینیات کا حصّہ بھی کورس میں شامل ہوتا ہے اس لئے اپنے متعلق یہ خیالِ خام قائم کر لیتے ہیں کہ ہم علماء ہیں، دینی بصیرت، تفقہِ مسائل، تفقہ فی الدین سے عموماً عاری ہوتے ہیں، ڈگری پر ڈگری حاصل کرتے چلے جاتے ہیں، اور مدارسِ دینیہ میں بیٹھ کر خدمتِ دین کے لئے تیار نہیں ہوتے، اسکول و کالج کی ملازمت کے لئے پریشان پھرتے ہیں، جس نیت سے پڑھا اسی کے لئے دوڑ دھوپ کرتے ہیں،

## طلبِ علم کے لئے سفر کرنا

(۲۱) وَعَنْهُ رَضِيَ اللهُ تَعَالَىٰ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ خَرَجَ فِيْ طَلَبِ الْعِلْمِ

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص علم حاصل کرنے کے لئے نکلا وہ واپس

فَهُوَ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَرْجِعَ    لوٹنے تک اللہ کے راستہ میں ہے۔"
(رواہ الترمذی)

یعنی جو مسلمان علم دین حاصل کرنے کے لئے اپنے گھر سے نکلا وہ جہاد کرنے والے کے مرتبہ میں ہے، کیونکہ جس طرح دشمنانِ دین سے جنگ کرنے والا میدانِ جہاد میں پہونچتا ہے اور زورِ باطل کو دبانے کے لئے گھر چھوڑتا اور سفر کی دقتیں و مشقتیں برداشت کرتا ہے، جان و مال آرام و راحت کو خداوند قدوس کی رضامندی کے لئے بے دریغ قربان کر دیتا ہے، اسی طرح طالب علم بھی رضائے الٰہی کے جذبہ میں گھر بار عزیز و قریب اور وطن مالوف کو چھوڑ کر سفر کرتا ہے، نرم گرم سہتا ہے، موسمی تکلیفیں جھیلتا ہے، نفس کے تقاضوں کو دباتا ہے،

پھر جس طرح قربانیاں دینا اور دقتیں و مصیبتیں برداشت کرنا جہاد اور تحصیل علم میں مشترک ہیں، اسی طرح نتیجہ میں بھی دونوں ساجھی ہیں، یعنی جہاد کے نتیجہ میں جس طرح شیطان ذلیل ہوتا ہے اور کفر کی قوت ٹوٹتی ہے اسی طرح علم دین کے زبردست ہتھیار سے شیطان کی کوششوں کو عالم و فقیہ فیل کرتا ہے، شیطانی پارٹی کے لوگ علماء کے ہتھیار علم سے مار کھا کر خدائی پارٹی میں آجاتے ہیں، جس سے دشمنانِ دین کے حوصلے پست ہوتے ہیں، اور ان کی ہمتیں ٹوٹتی ہیں،

علمی شغف رکھنے والے حضرات نے علم دین حاصل کرنے کے لئے بڑے بڑے سفر اختیار کئے ہیں، حضرت سعید بن المسیب رحؒ نے فرمایا

کہ میں ایک ایک حدیث کے لئے راتوں اور دنوں پیدل چلا ہوں، کوفہ کے رہنے والوں میں حضرت شعبیؒ ایک مشہور محدث گذرے ہیں انھوں نے ایک مرتبہ ایک شاگرد کو حدیث سُنائی، اور فرمایا کہ میاں تم کو مفت میں یہ حدیث مل گئی، ورنہ اس سے کم کے لئے بھی مدینہ منورہ جانا پڑتا تھا، حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ مکہ معظمہ میں رہتے تھے اُن کی طالب علمی کی ابتداء وہیں ہوئی، جب قرآن شریف ختم کرلیا تو مسجد میں جاتے اور اہل علم کی مجلسوں میں بیٹھتے اور احادیث و مسائل یاد کرتے، فرماتے تھے کہ میں اس زمانے میں اس قدر تنگ دست تھا کہ لکھنے کے لئے کاغذ نہیں خرید سکتا تھا، لہٰذا ہڈیوں پر لکھتا تھا، جب پتہ لگا کہ مالک بن انسؒ جلیل القدر امام ہیں تو مدینہ منورہ کا سفر کیا، اور جب تک حضرت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ بقیدِ حیات رہے، مدینہ منورہ ہی میں رہے، حضرت عبد اللہ بن المبارک رحمہ اللہ تعالےٰ بہت بڑے محدث اور فقیہ تھے، وہ فرماتے تھے کہ میں نے چار ھزار استادوں سے علم حدیث حاصل کیا ہے،

حضرت امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے حدیث نبوی (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) حاصل کرنے کے لئے برسہا برس پردیس میں گذارے، حجاز، شام، عراق، مصر، خراسان وغیرہ کے سفر کئے، ان کے اساتذہ اور تلامذہ کی فہرست بڑی طویل ہے، بخاری شریف انھوں نے ۱۶ سولہ سال میں چھ لاکھ حدیثوں سے انتخاب کرکے لکھی، ۷۲۷۵ حدیثیں اس

کتاب میں جمع کیں، اور ہر حدیث لکھنے کے وقت دو رکعتیں پڑھیں، ان کے مشہور شاگرد محدث فربری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بخاری شریف کو خود امام بخاری سے سننے والوں کی تعداد نوے ہزار سے زائد ہے، دیگر محدثین و فقہاء کے حالات بھی بتاتے ہیں کہ ان حضرات نے علم دین کے لئے بڑے لمبے لمبے سفر کئے اور پردیس میں تکلیفیں جھیل کر علوم نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سمندر پئے،

علم دین تو بڑی چیز ہے، حقیر دنیا کے علوم و اموال کے لئے سفر پر سفر کرنا پڑتا ہے، برسہا برس پردیس میں گذارتے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ اس جہان کا مزاج ہی کچھ ایسا ہے کہ گھر چھوڑے بغیر علم یا مال کی دولت نہیں ملتی، بڑے بڑے پیار اور لاڈ والے ماں باپ اپنی اولاد کو علم یا مال کے لئے جدا کر دیتے ہیں، مگر اللہ کے نزدیک صاحب مرتبہ وہی ماں باپ ہیں جنھوں نے یہ جدائی دین و آخرت کے لئے سہی ہو،

(۲۲) وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا اَنَّهَا سَمِعَتْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ اَوْحٰى اِلَيَّ اَنَّهٗ مَنْ سَلَكَ مَسْلَكًا فِيْ طَلَبِ الْعِلْمِ سَهَّلْتُ بِهٖ لَهٗ طَرِيْقَ الْجَنَّةِ وَمَنْ

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ بلا شبہ اللہ عز وجل نے میری طرف وحی بھیجی ہے کہ جو شخص علم طلب کرنے کے لئے کسی راستہ میں چلا اس کے لئے میں جنت کا راستہ آسان کر دوں گا، اور میں

سَلَبْتُ كَرِيْمَتَيْهِ اَثَبْتُهٗ عَلَيْهِمَا فِي الْجَنَّةِ وَفَضْلُ عِلْمٍ خَيْرٌ مِّنْ فَضْلٍ فِي عِبَادَةٍ وَمِلَاكُ الدِّيْنِ الْوَرَعُ، (رواه البيهقي في شعب الايمان)

(دنیا میں) جس کی دونوں آنکھیں چھین لوں گا، جنت میں اس کو ان کا بدلہ دوں گا اور علم میں بڑھنا عبادت میں بڑھنے سے بہتر ہے، اور دینداری کی جڑ پرہیزگاری ہے"

اس حدیث پاک میں چند چیزوں کا ذکر ہے:-

اوّل طلب علم کے لئے چلنے کی فضیلت بیان فرمائی ہے، یعنی اللہ جل شانہٗ کا وعدہ ہے کہ جو شخص علم حاصل کرنے کے لئے گھر سے نکلے گا اور اس سلسلے میں کسی راستہ سے گزرے گا تو اس کے اس چلنے کے بدلے میں اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت کا راستہ آسان فرمادیں گے، جس کے (۲) دو مطلب ہو سکتے ہیں، ایک (۱) یہ کہ دنیا میں اس کے لئے شریعت کی صراطِ مستقیم (سیدھے راستے) پر چلنے کی صورتیں اور شکلیں آسان فرمادیں گے، یعنی دنیا کے جھگڑوں اور بکھیڑوں میں اس کو نہ پھنسنے دیں گے، اور ایسے نیک بندوں میں پہونچا دیں گے جن کے ماحول میں اس کے عقائد و اعمال درست رہیں گے، اس کے دل کو ایمان پر قائم رکھیں گے، لہذا زیغ وضلال سے محفوظ رہیں گے (فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى) دوسرا (۲) مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے میدانِ آخرت میں حساب وسوال کے کٹھن مقام میں پریشان ہونے سے محفوظ فرمادیں گے، اور جلد ترین اس کو جنت میں داخلہ کے لئے روانہ فرمادیں گے،

دوسری چیز جو اس حدیث پاک میں ہے وہ نابینا کے متعلق اللہ پاک کی طرف سے یہ اعلان ہے کہ میں اس کی آنکھوں کے عوض جنت میں ثواب دونگا آنکھیں بڑی نعمت ہیں، جس کی آنکھیں جاتی رہیں اور اس نے صبر سے کام لیا، اور اس مصیبت کو اللہ کی طرف سے سمجھ کر اس پر یقین رہا کہ اُن کے عوض جنت میں اجر و ثواب ملے گا اور درجات بلند ہوں گے، ایسے شخص کے لئے سعادت اور بشارت ہے، اور اس کی بینائی کا چلا جانا اس حیثیت سے بہت نفع مند ہے کہ اس کے عوض آخرت بہتر ہو جائے گی،

بخاری شریف کی ایک روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ سبحانہ‘ و تعالیٰ کا ارشاد ہے :۔

اِذَا ابْتَلَيْتُ عَبْدِیْ بِحَبِيْبَتَيْهِ ثُمَّ صَبَرَ عَوَّضْتُهُ مِنْهُمَا الْجَنَّةَ يُرِيْدُ عَيْنَيْهِ (مشکوٰۃ)

جب میں اپنے بندہ کی آزمائش اس کی آنکھیں لے کر کروں پھر وہ صبر کرے تو اُن آنکھوں کے عوض اس کو جنت دوں گا۔

تیسری چیز جو اس حدیث شریف میں مذکور ہے یہ ہے کہ علم میں بڑھنا عبادت میں بڑھنے سے افضل ہے، اس کی توضیح و تشریح پہلے بھی گذر چکی ہے اور آئندہ حدیث کے ذیل میں بھی انشاء اللہ تعالیٰ لکھی جائے گی،

چوتھی اور آخری چیز جس کا اس حدیث مبارک میں ذکر ہے یہ ہے کہ اصل دینداری پرہیزگاری ہے، مطلب یہ ہے کہ اسلامی احکام کی رُو سے بہت سے کام کرنے کے ہیں اور بہت سے چھوڑنے کے ہیں، دینداری

یہ نہیں ہے کہ نماز پڑھے، روزہ رکھے اور ذکر و تسبیح میں مشغول رہے، اور جو چھوڑنے کے کام ہیں اُن کو نہ چھوڑے، اگرچہ نیکی کرنا بھی دینداری کا جزو ہے، مگر سب سے بڑی اور اصل دینداری یہ ہے کہ گناہوں سے پرہیز کرے، گناہ چھوڑنا بہت بڑی نیکی ہے، اور بہت بڑی عبادت ہے، ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نصیحت فرمائی کہ:۔

اِتَّقِ الْمَحَارِمَ تَكُنْ أَعْبَدَ النَّاسِ، (مشکوٰۃ شریف)

تُو حرام کاموں کو چھوڑ دے عابدوں سے بڑھکر عابد ہو جائے گا!!

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دو شخصوں کا ذکر کیا گیا، ایک کے بارے میں عرض کیا گیا کہ وہ عبادت بہت کرتا ہے اور خوب محنت سے اس میں لگا رہتا ہے، اور دوسرے شخص کے بارے میں عرض کیا گیا کہ وہ (عبادت میں تو زیادہ مشغول نہیں رہتا ہاں) گناہوں سے بچنے کا اہتمام کرتا ہے، یہ سُنکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پرہیزگاری کے برابر (عبادت کو) مت سمجھ (ترمذی شریف)

اس زمانے میں اوّل تو لوگوں کو دینداری کی طرف توجہ ہی نہیں ہے اور اگر کسی کو دین سے کچھ تعلق ہے بھی تو نماز، روزہ اور ذکر و تسبیح تک ہی، نماز بھی پڑھ رہے ہیں جھوٹ بھی چل رہا ہے، پیر کے مرید ہیں، ذکر کی ضربیں یا مراقبہ جاری ہے اور لوگوں کو دُکھ بھی دے رہے ہیں، غیبتوں میں مبتلا ہیں، حرام کما رہے ہیں، اگر کمائی حلال کی ہے تو خرچ حرام ہو رہا ہے، کاروبار میں تصویریں مورتیاں فروخت کر رہے ہیں، سودی کاروبار ہے، ڈاڑھی مُنڈی یا کٹائی ہوئی

ہے (الی غیر ذلک) غرض کہ گناہ چھوڑنے کو تیار نہیں، اور صرف نماز و تسبیح پر دینداری کا خیالِ خام جمائے ہوئے ہیں،

اصل بات یہ ہے کہ گناہ چھوڑنا نیکی کرنے سے مشکل ہے، نیکی پر نفس کو آمادہ کرنا آسان ہے، اور گناہ چھوڑنے سے نفس پر چھری چلتی ہے، اسی لئے گناہ چھوڑنے کا مرتبہ نیکی کرنے سے زیادہ ہے،

تصوف کی کتابیں پڑھ کر اور صوفیہ کے اصطلاحی الفاظ یاد کر کے مرشد و رہنما اور صوفی صافی بن جاتے ہیں، اور تقریر و تحریر کی دنیا میں شہرت حاصل ہو جاتی ہے، مگر زندگیوں کا جائزہ لینے سے پتہ چلتا ہے کہ گناہوں میں لت پت ہیں، ذاتی زندگی گناہوں میں ملوث ہے، اور مجلسوں میں بیٹھ کر وہ گز گز بھر کی لمبی لمبی باتیں کرتے ہیں، کہ گویا اُن کے علاوہ متبعِ سنت اور رہبرِ ملت کوئی نہیں،

چاروں طرف سے مصیبتوں کی خبریں آرہی ہیں، کہیں سیلاب ہے، کہیں زلزلہ کی خبر ہے، کہیں بارش نہیں، کہیں ہیضہ پھیلا ہوا ہے، سب جانتے اور مانتے ہیں کہ یہ گناہوں کے نتیجہ میں ہے، مگر فضا کچھ ایسی بن گئی ہے کہ ہر شخص جب یہ کہتا ہے کہ مصیبتیں گناہوں کی وجہ سے ہیں تو اپنی ذات کو مقدس سمجھ کر کہتا ہے، اگر ہر شخص گناہ چھوڑ دے تو مصیبتوں کے اسباب ختم ہوں، مگر وہاں تو حال یہ ہے کہ عین مصیبت کے وقت بھی گناہ نہیں چھوڑے جاتے، گناہوں کا اقرار کر لینا مصیبتوں کے دفع کرنے کے لئے کافی نہیں ہے، گناہوں کا چھوڑنا لازم ہے،

# ایک فقیہ شیطان کیلئے ہزار عابدوں سے زیادہ بھاری ہے

(۲۳) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالیٰ فَقِيْهٌ وَاحِدٌ أَشَدُّ عَلَى الشَّيْطَانِ مِنْ أَلْفِ عَابِدٍ

(رواہ الترمذی وابن ماجۃ)

"حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ شیطان پر ایک "فقیہ" ہزار عابدوں سے زیادہ بھاری ہے۔"

جو شخص صرف عبادت گزار ہو اور احکام و مسائل سے بے خبر ہو یا تھوڑا بہت علم ہو، شیطان کے لئے اس کا بہکا دینا، مغرور کردینا، ذکر و عبادت میں بدعتوں کے راستے پر چلا دینا بہت آسان ہے، ایک عالم و فقیہ کو بدعتوں میں مبتلا کردینا، دین و دنیات کے راستہ سے دھوکہ دینا شیطان کے لئے بہت بھاری کام ہے، کوئی عالم و فقیہ اگر خود ہی نفس کا پابند یا نیت کا کھوٹا ہو، اور اس کی وجہ سے راہِ حق سے اس کے قدم ڈگمگا گئے ہوں تو یہ اس کا اپنا قصور ہے، جب ذرا سی نفسانی لغزش شیطان دیکھے گا تو جال میں پھنسانے کی کوشش کرنے لگ جائے گا، مگر ہوشمند، محتاط، مخلص، محبِ آخرت علماء و فقہاء کا بہکانا شیطان کے لئے بہت مصیبت اور مشکل کام ہے، عالم و فقیہ خود تو شیطان کے بہکاوے سے بچنے کے طریقے جان کر محفوظ رہتا ہی ہے ساتھ ہی دوسروں کو بھی شیطان کے ہتھکنڈوں سے آگاہ کرتا ہے، اور

شیطان کے راستے کا ایک بھاری پتھر بنا ہوتا ہے، جو لوگ دین کی وسعتوں اور گہرائیوں کو نہیں جانتے اور دین کے پورے تقاضوں سے ناواقف ہیں ان کے اعمال میں بہت سی لائنوں سے زبردست کوتاہیاں اور خامیاں ہوتی ہیں، جذبات کے اُمنڈتے ہوئے سیلاب میں اُن کو شیطان بہا دیتا ہے، اور افراط و تفریط میں پڑکر حدودِ شرعیہ سے آگے نکل جاتے ہیں، سال کے بارہ مہینوں اور ہفتہ کے سات دنوں کے الگ الگ نوافل اور ان کے خاص طریقے اور خود ساختہ ثواب، عاشوراء کی نماز، شبِ براءت کی خاص نماز اور خاص دعاء کی ترکیب، رجب کی خاص نماز اور اس کا ثواب وغیرہ وغیرہ یہ بدعتیں کہاں سے آئیں؟ جاہل صوفیوں اور بے علم عبادت گذاروں نے دین میں اضافے کئے ہیں، اگر علمائے حق نہ ہوں تو جاہل صوفی اور جذباتی مقررین دین کو اپنی خواہشات کے مطابق ڈھال کر رکھ دیں، دین کے اصل تقاضے کیا ہیں؟ اور دین کا مزاج کیا ہے؟ اور احکام و مسائل میں جو فرقِ مراتب ہے اس کے کیا اصول ہیں؟ اس کا علم علماء و فقہاء ہی کو ہے، جنھوں نے پوری پوری عمریں دین کے سیکھنے سکھانے میں لگا دیں، بڑے بڑے صاحبِ وجد اور صاحبِ حال تصوف کے دعویدار قصّوں، کہانیوں اور بنائی ہوئی حدیثوں اور حکایتوں کے سہارے بدعات پھیلا رہے ہیں، اور یہ سب دین کے نام پر ہو رہا ہے، اگر علماءِ حق روک تھام نہ کریں اور تقریر و تحریر سے سنت و بدعت کا فرق نہ سمجھائیں تو دیکھتے ہی دیکھتے دینِ حق اہلِ بدعت کی خواہشات کا مجموعہ بن کر رہ جائے،

جاہل صوفی اور سیاسی لیڈر علماء پر اعتراض کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ علماء کو کیا ہو گیا ہے؟ بات بات میں بدعت کا فتویٰ دیتے ہیں، ہماری سمجھ میں تو نہیں آتا،

جنابِ عالی! آپ کی سمجھ میں کیونکر آئے گا؟ آپ نے اپنی سمجھ کی تربیت کب کی ہے؟ اور دین کے اصول و فروع کو کب سیکھا ہے؟ آپ علمِ دین کے قریب آئیں تو معلوم ہو کہ سنّت و بدعت میں امتیاز کرنے کے کیا اصول ہیں؟ علم جہل سے اور عالم جاہل سے افضل ہے، اور نفل عبادت میں لگنے سے علمِ دین سیکھنے میں لگنا بہتر ہے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ:-

تدارس العلم ساعة من الليل خير من احيائها (دارمی)

"رات کو تھوڑی سی دیر کا پڑھنا پڑھانا (نفل نماز سے) پوری رات کو زندہ رکھنے سے بہتر ہے"

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ:-

لان اتعلم مسئلة احب الی من قیام لیلة (احیاء العلوم)

"ایک مسئلہ سیکھ لینا میرے نزدیک پوری رات نفل نماز میں کھڑا رہنے سے زیادہ محبوب ہے"

جس نے دین کے اصول و فروع سیکھنے کے لئے زندگی کا اہم اور قابلِ ذکر حصہ نہ لگایا، اور علمائے حق کی صحبتیں نہ اٹھائیں، خواہ عابد و زاہد ہو خواہ سیاسی رہبر و قائد ہو خواہ مبلغ و مجاہد ہو! اس کو دین کے اصل تقاضوں

سے ہٹا کر بدعت وضلالت اور گمراہی کے راستہ پر لگا دینا شیطان کیلئے بہت آسان ہے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "ایک فقیہ شیطان پر ہزار عابدوں سے زیادہ بھاری ہے،، فقیہ کے بجائے عالم کا لفظ نہیں فرمایا، تاکہ ذرا بہت علم رکھنے والا اپنے کو اس فضیلت کا مستحق نہ سمجھ لے، فقیہ وہ ہے جو علم دین سے بھر پور ہو، اور نظر و فکر اور تجربہ کی دولت رکھتا ہو، چونکہ علمائے کرام شیطان کی کوششوں کو فیل کرنے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں، اور شیطانی جال کو تار تار کرنے میں پوری طرح محنت خرچ کرتے ہیں، اس لئے شیطان کے لئے اور اس کا کام کرنے والوں کے لئے علماء کا وجود ایک بھاری مصیبت اور سوہانِ روح ہے،

جو لیڈر اور قائد نئے خیالات اور جدید رجحانات لے کر اٹھتا ہے، اس کی سب سے بڑی کوشش یہی ہوتی ہے کہ علماء کا وقار گر جائے اور امت مسلمہ اُن کے علوم و اعمال سے آزاد ہو جائے، گذشتہ پون صدی میں متعدد گروہ ایسے پیدا ہو چکے ہیں، جنھوں نے علمائے حق کو "دقیانوسی" اور "ملا" کہہ کر بدنام کرنے کی کوشش کی، کسی نے "مولوی کا غلط مذہب" لکھا، کسی نے مولویوں کو بازاری گالیوں سے یاد کیا، کسی نے ذہنی جمود کا طعنہ دیا، مگر علماءِ حق عقائد حقہ پر اڑے رہے، اور ملحدوں اور زندیقوں کے مکر و فریب سے برابر اُمت کو آگاہ کرتے رہے،

# کوئی طالبِ علمِ دین خسارہ میں نہیں

(۲۴) وَعَنْ وَاثِلَةَ بْنِ الْاَسْقَعِ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ طَلَبَ الْعِلْمَ فَاَدْرَکَهٗ کَانَ لَهٗ کِفْلَانِ مِنَ الْاَجْرِ فَاِنْ لَّمْ یُدْرِکْهُ کَانَ لَهٗ کِفْلٌ مِّنَ الْاَجْرِ

حضرت واثلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے علم طلب کیا اور اس کو حاصل کرلیا، تو اس کو دو حصہ اجر ملے گا، اور اگر علم حاصل کرنے میں کامیاب نہ ہوا تو اس کو ایک حصہ اجر ملے گا۔

اللہ تعالیٰ دین کی محنت میں لگنے والے کی محنت ضائع نہیں فرماتے بلکہ اس بارے میں نیت پر بھی نوازتے ہیں، دین کے سلسلے میں صرف کوشش کرنے پر بھی اجر و ثواب ملتا ہے خواہ کامیابی ہو خواہ نہ ہو، ہاں اگر کامیابی ہوگئی تو اس کا اجر و ثواب بہت زیادہ ہے، جس کی تفصیل دوسری حدیثوں میں آئی ہے، اس حدیثِ مبارک میں اسی کو فرمایا ہے کہ علمِ دین حاصل کرنے کے لئے جس نے کوشش کی مگر کم ذہن ہونے یا بڑی عمر ہونے کی وجہ سے (مثلاً) کامیاب نہ ہوسکا تو وہ اگرچہ علم سے محروم ہوگیا، مگر ثواب سے محروم نہیں ہے، ایک حصہ ثواب ضرور اس کو ملے گا، اور جو شخص تحصیلِ علم کی کوشش میں کامیاب ہوگیا اس کو دو حصے اجر و ثواب ملے گا، (جو لوگ بڑی عمر میں دین سیکھنا چاہتے ہیں اور بظاہر ناکامی نظر آتی ہے،

ان کے لئے اس حدیثِ پاک میں بہت بڑی خوش خبری بھی ہے، اور ترغیب بھی یعنی ہر شخص کو دینی تعلیم حاصل کرنے کے لئے کوشش کرنی چاہیئے، اور کسی حال میں یوں نہ سمجھے کہ میں نقصان میں ہوں، علم حاصل ہو گیا تو بھی محروم نہیں، اور اگر نہ ہو سکا تو بھی محروم نہیں،

## طالب علمی میں موت

(۲۵) وَعَنِ الْحَسَنِ رحمہ سلام قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ تَعَالٰی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ جَاءَہُ الْمَوْتُ وَھُوَ یَطْلُبُ الْعِلْمَ لِیُحْیِیَ بِہِ الْاِسْلَامَ فَبَیْنَہُ وَبَیْنَ النَّبِیِّیْنَ دَرَجَۃٌ وَّاحِدَۃٌ فِی الْجَنَّۃِ (رواہما الدارمی)

حضرت حسن بصری رحؒ سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس کو اس حال میں موت آ گئی کہ اسلام کے زندہ کرنے کے لئے علم حاصل کر رہا تھا تو اس کے اور نبیوں کے درمیان جنت میں ایک درجہ کا فرق ہو گا۔

اس حدیثِ پاک میں جہاں طالب علمی میں موت کی فضیلت ارشاد فرمائی ہے وہاں علم حاصل کرنے کا مقصد بھی بیان فرما دیا گیا ہے، جس کو علم حاصل کرتے کرتے موت آ گئی، اور موت کی وجہ سے تحصیلِ علم یا تکمیلِ علم کے مقصدِ عظیم سے عاجز رہ گیا وہ بھی اپنی نیت کی وجہ سے کامیاب ہو چکا اور علم وعمل سے جو اصلی اور آخری مقصد ہے (یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا) وہ پورا ہو گیا، اس کی موت بہت قیمتی ہے، اس کے اور نبیوں ؑ کے

درمیان جنت میں ایک ہی درجہ کا فرق ہوگا، مگر شرط یہ ہے کہ طلب علم کی مشغولیت اسلام کو زندہ کرنے کے لئے ہو (یعنی بہ الاسلام) (اسلام کو زندہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اسلام کے احکام سے جو فضا اور ماحول خالی ہے، اور عمومی زندگیوں میں جو دین اور دینیات کی طرف سے غفلت ہے اور جہالت کی تاریکی کے باعث جو عملی زندگیاں بگڑی ہوئی ہیں، تعلیم و تبلیغ کے ذریعہ اس بگاڑ کو دور کیا جاوے اور علم و عمل کے نور سے تاریک فضا کو منور کرنے کی کوشش کی جاوے) جو لوگ تحصیل علم میں مشغول ہیں اُن کو چاہئے کہ اپنی نیت کی جانچ کر لیں، اگر اب تک طلب علم کا مقصد "اسلام کا زندہ کرنا" بنایا ہو تو اب بنا لیں، موت تو سب کو آئے گی، اور طالب علم ہونے کے لئے بچہ، بوڑھا یا جوان ہونا بالکل بھی شرط نہیں ہے، ہر شخص اگر روزانہ پابندی کے ساتھ علم دین کے لئے کچھ نہ کچھ وقت ضرور خرچ کیا کرے، اور موت تک اسی طرح گذار دے تو اس کی موت طالب علمی کی موت بن سکتی ہے،

## علم پر عمل کرنا

(۲۶) وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَزُوْلُ قَدَمَا ابْنِ اٰدَمَ

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے روز انسان کے

يَوْمَ الْقِيٰمَةِ حَتّٰى يُسْأَلُ عَنْ خَمْسٍ عَنْ عُمْرِهٖ فِيْمَا اَفْنَاهُ وَعَنْ شَبَابِهٖ فِيْمَا اَبْلَاهُ وَعَنْ مَّالِهٖ مِنْ اَيْنَ اكْتَسَبَهٗ وَفِيْمَا اَنْفَقَهٗ وَمَاذَا عَمِلَ فِيْمَا عَلِمَ،

(رواہ الترمذی)

قدم (حساب کی جگہ سے) نہ ہٹیں گے، جب تک کہ پانچ چیزوں کا سوال نہ ہوجائے (۱) عمر کا سوال کہ کن کاموں میں فنا کردی (۲) جوانی کا سوال کہ کن چیزوں میں لگا کر پرانی کردی (۳) مال کہاں سے کمایا (۴) اور کہاں خرچ کیا (۵) جو کچھ علم تھا اس پر کیا عمل کیا،،

انسان دنیا میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کے لئے آیا ہے، عبادت کا مطلب یہ ہے کہ احکامِ خداوندی پر عمل کرے، عبادت کے عوض اللہ تعالیٰ نے بہت زیادہ اجر و ثواب مقرر فرمایا ہے، جو آخرت میں ملے گا، اور درحقیقت اصل زندگی (جو زندگی کہنے کے قابل ہے) آخرت ہی کی زندگی ہے جہاں نہ فنا ہے نہ موت ہے، اسی زندگی کے بنانے اور سدھارنے کے لئے فکر کرنا اور محنت لگانا سب سے بڑی عقلمندی اور کامیابی ہے، واجبی ضرورت کے بقدر دنیا حاصل کرنا مناسب ہے، دنیا کو مقصد بنانا بہت بڑی بھول اور نادانی ہے، ہوشیار وہی ہے جس نے آخرت کو مقصد بنایا اور اپنی محنتوں اور کوششوں کو حصولِ جنت کے لئے خرچ کیا،

زندگی بہت بڑی نعمت ہے، اس کو غنیمت جان کر ہر وقت آخرت کی کمائی میں لگانا چاہیئے اور دنیا کو بھی آخرت کی کامیابی کا ذریعہ بنا لینا چاہیئے، زندگی کا بہترین حصہ جوانی ہے، جس میں ہر مشکل برداشت

اس کو خصوصیت ہو سکتی ہے، اور ہر طرح سے محنت و مجاہدہ ہو سکتا ہے، حالانکہ کے ساتھ مزے اڑانے اور گناہ کرتے میں لگاتے اور خرچ کرتے ہیں، آخرت کی کمائی کے لئے یہی عمر سب سے زیادہ بہتر ہے، قیامت کے دن پوری زندگی اور خاصکر جوانی کے متعلق سوال ہوگا، کہ کہاں اور کس کام اور کس محنت میں خرچ کی، عبادت کے حصہ میں کس قدر آئی، گناہ زیادہ کئے یا نیک کام زیادہ انجام دیئے؟

مال بھی دنیا میں کمایا اور خرچ کیا جاتا ہے، اس سے جائز ضرورتیں بھی پوری ہوتی ہیں اور گناہوں میں لگتا ہے، اس کے حاصل کرنے کے اسباب و ذرائع حرام بھی ہیں اور حلال بھی، قیامت کے دن مال کے متعلق دوھرا سوال ہوگا، ایک یہ سوال کہ کہاں سے حاصل کیا، حرام سے یا حلال سے؟ اور دوسرا یہ کہ مال کہاں خرچ کیا، نیکی میں یا گناہ میں؟

علم کے متعلق بھی سوال ہوگا کہ جو دینی معلومات حاصل ہوئیں اور جاننے پر جو عمل کی ذمہ داری عائد ہوئی اس کو کس قدر انجام دیا؟ یہ پانچ سوال ایسے ہیں جن کے متعلق ضرور ہی سوال ہوگا،

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ مجھے اپنے متعلق سب سے زیادہ یہی خوف لگتا ہے کہ قیامت کے روز ساری مخلوق کے سامنے مجھ سے کہیں یہ سوال نہ کر لیا جائے کہ اے عویمر[۱] تو دین سے واقف تھا یا جاہل؟ اگر اس کے جواب میں یہ کہہ دوں گا کہ واقف تھا تو قرآن مجید کی

---

[۱] یہ حضرت ابوالدرداء رضی کی کنیت ہے ۱۲

ہر ایک آیت مجھے پکڑلے گی، جن آیتوں میں اللہ کے حکم ہیں وہ سوال کریں گی کہ بتا تو نے کب عمل کیا، اور جن آیتوں میں گناہوں سے روکا گیا ہے وہ پوچھینگی کہ بتا تو گناہ سے کب بچا، اس کے بعد یوں دعاء کی:۔

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ عِلْمٍ لَّا یَنْفَعُ وَ نَفْسٍ لَّا تَشْبَعُ وَدُعَاءٍ لَّا یُسْمَعُ، (حلیۃ الاولیاء)

"میں اللہ کی پناہ چاہتا ہوں ایسے علم سے جو نفع نہ دے اور ایسے نفس سے جس کا (دنیا سے) پیٹ نہ بھرے، اور ایسی دعاء سے جو قبول نہ ہو۔"

علم کا سب سے پہلا مطالبہ یہ ہے کہ آدمی اپنی زندگی کا جائزہ لیوے، اور اپنے نفس کو سدھارنے میں علم کی دولت خرچ کرے، حقیقی عالم وہی ہے جو علم پر عمل کرتا ہے، حضرت ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ بلاشبہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے نزدیک بدترین لوگوں میں وہ عالم (بھی) ہوگا جو اپنے علم سے نفع حاصل نہیں کرتا، (یعنی اپنے علم پر عمل کر کے اپنی اصلاح نہیں کرتا)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جناب کعب الاحبار رضؓ سے فرمایا کہ بتاؤ علم والے کون ہیں؟ عرض کیا علم والے وہ ہیں جو (علم پر) عمل کرتے ہیں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پھر فرمایا کہ بتاؤ علم (کی عظمت اور اس کے وقار) کو کس چیز نے نکالا؟ عرض کیا لالچ نے نکال دیا، (مشکوٰۃ شریف)

حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

---

ع۱ علماء کے دل سے،

الفقه معرفة النفس ما لها وما عليها

"اپنے نفس کی ذمہ داریوں کے پہچاننے اور نفس کو نقصان و ضرر میں ڈالنے والی باتوں کے جاننے کا نام فقہ ہے۔"

نیز ارشاد فرمایا:۔

ما العلم الا للعمل به والعمل به ترك العاجل للآجل

"علم عمل ہی کرنے کے لئے ہے، اور علم پر عمل کرنا یہ ہے کہ آخرت کے نفع کے لئے دنیا کے نفع کو چھوڑ دے۔"

اس کو نقل فرما کر صاحب "تعلیم المتعلم" لکھتے ہیں: "انسان کو چاہئے کہ (علم ہونے پر) اپنے نفس سے اور نفس کے نفع و نقصان سے غافل نہ ہو جائے نفع کے اعمال کرے، اور نقصان کے کاموں سے بچے، تاکہ عقل اور علم خود اسی کے خلاف غالب دشمن بنکر عذاب میں اضافہ کا باعث نہ بنے، نَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ سَخَطِهٖ وَعِقَابِهٖ،

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ایک صاحب حکمت نے دوسرے صاحب کو لکھا کہ تجھے علم دیا گیا ہے اسے گناہوں کے اندھیرے سے خراب نہ کر، ورنہ تو اس روز اندھیرے میں رہ جائے گا جبکہ اہل علم اپنے علم کے نور میں دوڑ رہے ہوں گے،

حضرت حسن بصریؒ سے ایک شخص نے کہا کہ فقہاء آپ کی مخالفت کرتے ہیں، انھوں نے فرمایا تم نے کوئی فقیہ اپنی آنکھ سے دیکھا بھی ہے؟ فقیہ وہ ہے جو دنیا سے بے رغبت ہو، آخرت کا طلبگار ہو، اپنی دینداری

کو بُرا رکھتا ہو، اپنے رب کی عبادت میں لگا رہتا ہو، اپنے نفس کو مسلمانوں کی بے آبروئی کرنے سے محفوظ رکھتا ہو، اُن کے مالوں سے بچتا ہو اور ان کا ہمدرد ہو" (احیاء العلوم)

عالم کی شان یہ ہے کہ اپنے علم سے خود مستفید ہوتا ہو اور دوسروں کو بھی فیض پہونچاتا ہو، حدیث شریف میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

مثل علم لا ینتفع بہ کمثل کنز لا ینفق منہ فی سبیل اللّٰہِ، (دارمی)

"جس علم سے نفع حاصل نہیں کیا جاتا اس کی مثال اس خزانے کی سی ہے جسے اللہ کے رستہ میں خرچ نہیں کیا جاتا"۔

علمائے حق علم پر خود بھی عمل کرتے ہیں، اور علم کا فیض مسائل بتا کر فضائل سُنا کر، سبق پڑھا کر، کتابیں لکھکر غرض کہ جس طرح ممکن ہو جاری رکھتے ہیں، علم سے اگر نفع نہ ہوا تو ایسا علم حسبِ فرمانِ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس خزانہ کی طرح ہے جو بند پڑا ہے، زمین میں دفن ہے یا تجوری میں مقفل ہے، نہ مال والے کے کام میں آتا ہے نہ اس سے دوسرے فیض یاب ہوتے ہیں،

(علم کے یاد رکھنے کا سب سے بڑا ہتھیار اس پر عمل کرنا ہے، جس علم پر عمل ہوگا یاد رہے گا، عمل گیا تو علم بھی گیا،

حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

يهتف العلم بالعمل فان اجابه والا ارتحل۔

"علم والے کو علم عمل کے لئے پکارتا ہے، اگر اس نے پکار سُن لی تو خیر ورنہ علم چل دیتا ہے" (احیاء العلوم)

نسئل الله علماً نافعاً وعملاً متقبلاً ونعوذ به من علم یکون وبالاً

حضرت ابراہیم بن عیینہؒ سے کسی نے دریافت کیا کہ سب سے زیادہ پشیمانی والا کون ہے؟ انھوں نے جواب دیا کہ دنیا میں وہ شخص ہے جس نے ناشکرے کے ساتھ احسان کیا، اور موت کے وقت وہ عالم جس نے عمل میں کوتاہی کی

حضرت فضیل بن عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مجھے تین شخصوں کی بدحالی پر رحم آتا ہے، (۱) کسی قوم کا وہ معزز آدمی جو ذلیل ہو گیا، (۲) وہ مالدار جو تنگ دست ہو گیا (۳) وہ عالم جسے دنیا اپنا کھلونا بنائے ہوئے ہے، (احیاء العلوم)

**فائدہ**: حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وماذا عمل فیما علم (یعنی قیامت کے ضروری پانچ سوالات میں سے یہ بھی ہے کہ جو کچھ علم تھا اس پر کیا عمل کیا) یہ طرز بیان اس لئے اختیار کیا گیا کہ ہر شخص کو علم پر عمل کرنے کی ذمہ داری کا احساس ہو جائے اور کوئی یہ نہ سمجھ لے کہ عمل کی ذمہ صرف انہی حضرات پر ہے جو کسی مدرسے سے فارغ التحصیل اور سند یافتہ ہوں، تھوڑا بہت علم تو سب ہی کو ہے، اور ہر ایک سے اپنے اپنے علم کے متعلق سوال ہو گا،

اس نکتہ کو خصوصیت کے ساتھ ہم نے اس لئے واضح کیا ہے کہ

عموماً اہلِ زمانہ جب کسی عالم کی ذراسی لغزش دیکھتے ہیں تو فوراً بول اُٹھتے ہیں کہ فلاں عالم صاحب جانتے ہوئے بھی بے عمل ہیں، علم کا جو سوال ہوگا اس سے نہیں ڈرتے، حالانکہ اعتراض کرنے والے بھی جو کچھ جانتے ہیں اس کی جواب دہی سے غافل ہیں، بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم سے تو لاعلمی میں گناہ ہوجاتے ہیں اور علماء تو جانتے ہیں وہ کیوں بے عمل ہیں؟ جواب یہ ہے کہ آپ جن احکام کو جانتے ہیں انکی خلاف ورزی کرتے ہیں تو بے عمل عالم اور آپ برابر ہیں اور جن احکام کی خلاف ورزی علم نہ ہونے کی وجہ سے آپ کرتے ہیں اُن کے متعلق تو آپ دو سوالوں کا جواب دینے کے لئے تیار رہیں، ایک یہ کہ احکام و مسائل کیوں نہ معلوم کئے جاہل کیوں رہ گئے، اور دوسرا سوال یہ کہ احکام کی خلاف ورزی کرکے مرتکب گناہ کیوں ہوئے؟ لاعلمی عذر نہیں ہے جو گناہ کی پاداش سے بچالے، علماء کو صرف ایک ہی سوال کا جواب دینا ہوگا، یعنی صرف عمل کا، اور جاہلوں سے دوہرا سوال ہوگا،

## قرآن شریف سیکھنا سکھانا

(۲۷) وَعَنْ عُثْمَانَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ تَعَالٰی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَیْرُکُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَعَلَّمَہٗ (رواہ البخاری)

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے "

قرآن شریف چونکہ شہنشاہِ مطلق مالک الملوک اور خالق الکل

کا کلام ہے، اس لئے تمام کلاموں سے افضل ہے، اور جب کلام برتر ہو تو معانی بھی بلند تر ہیں، نیز الفاظ و معانی کی بلندی کے ساتھ قرآن شریف تمام انسانوں کے لئے خدا کی طرف سے وہ دستور اساسی ہے جس کے احکام کی تعمیل میں سب سے بڑی کامیابی یعنی رضائے حق اور دخولِ جنت موقوف ہے، کسی انسان میں گوشت و پوست سے بڑائی اور برتری اور فضیلت نہیں آتی ہے، بلکہ اس کے بلند اعمال، پاکیزہ اشغال سے اور زندگی بھر جسم و روح کی محنتوں کو فضیلت والے کاموں میں لگانے سے حاصل ہوتی ہے، پھر جس قدر اعمال و اشغال اور محنتوں کا فرق ہوتا ہے اسی قدر انسانوں میں آپس میں ایک دوسرے پر فضیلت اور فوقیت کا فرق ہوتا ہے، چونکہ قرآن شریف اس ذات پاک کا کلام ہے، جو سب سے برتر اور اکبر ہے اور اللہ کی کتابوں میں سب سے افضل ہے، اور افضل الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر افضل الامم کی ہدایت کے لئے نازل ہوا، اس لئے جو بھی مسلمان اس کے پڑھنے پڑھانے کا مشغلہ رکھے گا ظاہر ہے کہ سب سے بہتر اور افضل ہوگا،

پڑھنے پڑھانے کے عموم میں قرآن شریف کے الفاظ اور معانی دونوں کا پڑھنا پڑھانا آگیا، آجکل کے نئے مجتہدین قرآن شریف کے الفاظ کی تعلیم کو بے سود سمجھتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ بے سمجھے پڑھنے میں فائدہ کیا ہے؟ میں پوچھتا ہوں کہ آپ فائدہ کس کو کہتے ہیں؟ ایک مؤمن کے لئے یہ فائدہ کیا کم ہے جو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے

کہ جس نے اللہ کی کتاب سے ایک حرف کی تلاوت کی اس کے عوض اسے ایک نیکی ملے گی، اور وہ نیکی دس نیکیوں کے برابر ہو گی، (ترمذی)

مؤمن کے نزدیک تو ایک نیکی بھی بہت بڑی چیز ہے، اور جو دنیا کے نشہ میں چور ہیں وہ تو کروڑوں نیکیوں کو بھی مسخرہ پن سمجھتے ہیں، افسوس! کہ یہ مغرب زدہ مجتہدین اہل کتاب سے بھی سبق نہیں لیتے، انھوں نے الفاظ کتاب کو چھوڑ کر معانی ہی کو کافی سمجھا، اور اس طرح اصل توریت وانجیل سے بالکل محروم ہو گئے، بس ترجموں ہی کو سیکڑوں زبانوں میں چھاپ کر خوش ہو لیتے ہیں، اور اصل کتاب جس سے ترجمہ کا میلان کیا جاوے غائب ہے، اسی وجہ سے ہمارے بزرگوں نے صرف ترجمۂ قرآن شریف شائع کرنے سے منع فرمایا ہے

## قرآن پڑھ کر بھول جانا

(۲۸) وَعَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عُرِضَتْ عَلَیَّ اُجُوْرُ اُمَّتِیْ حَتَّی الْقَذَاةُ یُخْرِجُهَا الرَّجُلُ مِنَ الْمَسْجِدِ وَعُرِضَتْ عَلَیَّ ذُنُوْبُ اُمَّتِیْ فَلَمْ اَرَ ذَنْبًا اَعْظَمَ مِنْ سُوْرَةٍ مِّنَ الْقُرْاٰنِ اَوْ اٰیَةٍ اُوْتِیَهَا رَجُلٌ ثُمَّ

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری امت کے ثواب کے کام مجھ پر پیش کئے گئے، یہاں تک کہ مسجد سے کوئی شخص تنکا نکال دے (تو یہ بھی نیکیوں کی فہرست میں موجود تھا) اور مجھ پر میری امت کے گناہ پیش کئے گئے تو میں نے کوئی گناہ اس سے بڑا نہیں

نَسِیَهَا (رواہ الترمذی) | دیکھا کہ کسی شخص کو قرآن کی کوئی سورۃ یا آیت (خدا کی مہربانی سے) عطا کی گئی، پھر وہ اسے بھول گیا!!

قرآن شریف پڑھنا بھی لازم ہے اور پڑھ کر یاد رکھنا بھی ضروری اور لازم ہے، خاصکر حافظوں کو تو دَور اور تلاوت کرتے رہنے پر توجہ دینا بہت زیادہ ضروری ہے، قرآن شریف بہت غیر تمند ہے، جو شخص اسے یاد رکھنے سے غفلت برتتا ہے قرآن شریف بھی اس سے بے نیازی اختیار کرتا ہے اور صاف چلا جاتا ہے،

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قرآن کا دھیان رکھو، کیونکہ وہ چھٹکارہ پاکر بھاگ جانے میں اُن اونٹوں سے بھی زیادہ سخت ہے جو رسیوں میں بندھے ہوئے ہوں (اور رسیاں توڑ کر بھاگنا چاہتے ہوں (بخاری ومسلم)

اس حدیث پاک میں قرآن شریف کے بھول جانے کو سب گناہوں سے بڑا گناہ فرمایا ہے، اور ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ جو شخص قرآن شریف پڑھتا ہے پھر اس کو بھول جاتا ہے قیامت کے روز اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ کوڑھی کی طرح اُس کے ہاتھ پاؤں گرے ہوتے ہوں گے، (مشکوٰۃ شریف)

# قرآن مجید کو شکم پروری کا ذریعہ بنانا

M. Yusuf

(۲۹) وَعَنْ بُرَیْدَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ | حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے

تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ تَعَالٰی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ قَرَءَ الْقُرْاٰنَ یَتَاَکَّلُ بِہِ النَّاسَ جَاءَ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ وَوَجْہُہٗ عَظْمٌ لَیْسَ عَلَیْہِ لَحْمٌ ۔ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

روایت ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص قرآن پڑھ کر اس کے ذریعے لوگوں سے کھانے کے لئے وصولی کرتا ہے وہ قیامت کے روز اس حال میں آئے گا کہ اس کا چہرہ بس ہڈی ہی ہڈی ہوگا جس پر ذرا گوشت نہ ہوگا۔

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک واعظ پر گذر ہوا جو (قرآن پڑھکر) لوگوں سے سوال کر رہا تھا، اس کو دیکھ کر اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھا، پھر فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سُنا ہے کہ جو شخص قرآن پڑھے اُسے چاہیئے کہ اللہ ہی سے مانگے اور عنقریب ایسے لوگ آئیں گے جو قرآن کی تلاوت کر کے اُس کے ذریعے لوگوں سے سوال کریں گے۔ (احمد)

سوال کرنا زبانِ حال سے بھی ہوتا ہے اور زبانِ قال سے بھی، مسجدوں میں نماز کے بعد دروازوں کے قریب قرآن پڑھتے ہوئے بہت سے لوگ آپ نے دیکھے ہوں گے، ان میں اکثر وہ ہوتے ہیں کہ قرآن شریف پڑھنے کے علاوہ زبان سے کچھ نہیں کہتے، اور نمازی اُن کو آنہ دو آنہ برابر دیتے چلے جاتے ہیں، یہ زبانِ حال کا سوال ہے، کیونکہ دروازے کے پاس کھڑے ہو کر ہاتھ پھیلا کر یا رومال بچھا کر پڑھنا بھی سوال کرنا ہے، بہت سے

لوگ تلاوت کرکے زبانِ قال سے بھی سوال کرتے ہیں، دونوں قسم کے حافظ و قاری لائقِ ملامت ہیں جو انمول جواہر کو کوڑیوں کے بدلے بیچ کر دنیا و آخرت میں ذلت کے مستحق ہو رہے ہیں، اگر اللہ سے مانگیں تو بے انتہا ملے، اور دنیا و آخرت میں سُرخ رُو رہیں،

قرآن شریف کے ذریعے لوگوں سے دنیا حاصل کرنے والے کی دُنیا میں جو بے آبروئی ہے اس کو تو سب ہی جانتے ہیں، اور آخرت میں جو ذلت ہوگی اس کی خبر حدیث شریف میں موجود ہے، کہ قیامت کے دن جب کہ تمام اوّلین و آخرین جمع ہوں گے سب کے سامنے اس کے چہرے کی بدحالی ظاہر ہوگی، یعنی اس کے چہرے پر گوشت کی ایک بوٹی بھی نہ ہوگی اور یہ سزا اس کے عمل کے مناسب ہوگی، اس نے اشرف الاشیاء کو ذلیل دنیا کی کمائی کا ذریعہ بنایا، اس لئے قیامت کے دن اس کے اشرف الاعضاء یعنی چہرے کو رونق سے محروم کرکے ذلیل ترین حالت میں کردیا جائے گا،

قرآن شریف کی تلاوت پر لینے دینے کا بُرا رواج: برسہا برس سے ہمارے ملک میں پڑا ہوا ہے، جس کی چند صورتیں ہیں:۔

(۱) دُکانوں اور فرموں میں جاکر بہت سے لوگ صبح کو قرآن کی تلاوت کرتے ہیں، اور اس کے عوض ان کو روزانہ ناشتہ اور ماہانہ چند روپے ملتے ہیں،

(۲) بہت سے لوگ چالیس دن یا کم و بیش قبر پر جاکر قرآن شریف

کی تلاوت کرکے آخر میں میت کے ورثاء سے رقم وصول کرتے ہیں، جس کے ساتھ اکثر جوڑا بھی ملتا ہے، اور بعض علاقوں میں میت کے کپڑے اور برتن وغیرہ بھی دیئے جاتے ہیں،

(۳) بعض علاقوں میں شبینہ ہوتا ہے، جس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ چند حافظ رات کو جمع ہو کر صبح تک قرآن مجید ختم کر دیتے ہیں، ایک پڑھتا ہے اور باقی سب سنتے ہیں، صبح ہونے پر صدر الحفاظ کو فی حافظ پانچ روپے (مثلاً) دیدیئے جاتے ہیں، جنھیں وہ سب پر تقسیم کر دیتا ہے،

(۴) تراویح میں قرآن شریف سُنا کر رقم لی جاتی ہے،

اور ان کے علاوہ بھی ان سے ملتی جُلتی صورتیں مختلف علاقوں میں ضرور رائج ہوں گی، جن کا ہم کو علم نہیں ہے،

اس سلسلہ میں محققین کا فتویٰ یہ ہے کہ تلاوت پر جو بھی کچھ لیا جاوے وہ سب ناجائز ہے، طے کرکے لینا اور بغیر طے کئے ملنے کی امید پر پڑھنا اور سنانا دونوں برابر ہیں، زبان سے بات چیت نہ ہوئی مگر سننے اور پڑھنے والوں کے دل میں یہ جما ہوا ہے کہ دینا ضرور پڑے گا، اور حافظ و قاری بھی یقین کئے ہوئے ہے کہ ضرور ملے گا، یہ مشروط تو نہ ہوا مگر رواجاً چونکہ معروف ہو چکا ہے اس لئے مشروط کے حکم میں ہے، فقہ کا مسلمہ قاعدہ ہے کہ اَلْمَعْرُوْفُ کَالْمَشْرُوْطِ حافظ صاحب خواہ کتنا ہی کہیں کہ میں اللہ کے لئے پڑھتا ہوں، لیکن اگر ذرا بھی گمان غالب ہو جائے کہ یہاں کم ملے گا یا کچھ نہ ملے گا تو دوسری جگہ تلاش کرنے

لگ جاتے ہیں، ان حالات میں یوں کہہ کر حلال سمجھ لیناکہ ہم نے نہ مانگا، نہ طے کیا لوگوں نے خود ہی دیدیا سراسر خود فریبی ہے جو آخرت کا خوف نہ ہونے سے پیدا ہوتی ہے، ان تلاوت کرنے والوں کا یہ حال ہے کہ اپنے ماں باپ اور استاذ کے لئے کبھی ایک ختم بھی نہیں پڑھتے، اور جہاں پیسہ ملتا ہے وہاں ختم پر ختم پڑھتے چلے جاتے ہیں، حالانکہ جو تلاوت لالچ کی وجہ سے ہو اس کا ثواب پڑھنے والے ہی کو نہیں ملتا، دوسرے کو کیا بخشے گا؟ تراویح میں قرآن شریف سنانے کے لئے حفاظ سفر کرتے ہیں، شہروں اور قصبوں میں پہونچتے ہیں اور جھوٹی زبان سے کہتے ہیں کہ ہم کو صرف سُنانا مقصود ہے روپیہ پیسہ لینے کے لئے ہم نہیں سُناتے ہیں، ان سے کوئی پوچھے کہ اگر آپ کو صرف سُنانا ہی ہے تو اپنے دیہات کی مسجد کیوں چھوڑ آئے ؟ وہاں تو کوئی سورتوں سے پڑھانے والا بھی نہیں،

جو لوگ میت کو ایصالِ ثواب کرنے کے لئے قبر یا گھر پر ختم پڑھتے ہیں دو طرح سے مجرم بنتے ہیں، اوّل یہ کہ کچھ ملنے کے لئے قرآن شریف کی تلاوت کی، دوم یہ کہ ترکہ کی رقم اور برتن اور کپڑے وغیرہ لیتے ہیں جو عموماً ترکہ تقسیم کئے بغیر حافظ صاحب کو دیدیئے جاتے ہیں، حالانکہ اس میں نابالغ بچے اور غیر حاضر ورثاء کا بھی حق ہوتا ہے، جس میں موجودہ وارثین کو تصرف کا حق نہیں پہونچتا، اس طرح یتیم کا مال اور غائب وارثوں کا حصہ لے کر حافظ صاحب اپنا بُرا کرتے ہیں،

لوگوں کا یہ غلط خیال ہے کہ صرف نقدی میں یا جائداد دُکان میں

میراث چلتی ہے، اور پہننے کے کپڑوں اور برتنوں میں حصہ داری نہیں، شریعت کی رُو سے میت کی ہر وہ چیز جس کا وہ مالک تھا اس کا ترکہ اور میراث ہے

بہت سے لوگوں نے تراویح وغیرہ میں پڑھنے اور سُنانے کی اجرت کے جواز کی یہ دلیل تراشی ہے کہ ہم وقت کی اُجرت لیتے ہیں تلاوت کی اُجرت نہیں لیتے، سبحان اللہ کیا فلسفہ ہے، ذرا بغیر تلاوت کئے یوں ہی جا کر بیٹھئے اور چلے آئیے، یا سورتوں سے تراویح پڑھا دیجئے، پھر دیکھئے کتنی رقم ملتی ہے؟

تلاوت اور تعلیم میں فرق ہے، فقہائے متأخرین نے تعلیم قرآن کے سلسلے میں کچھ لینے دینے اور معلّمین کی خدمت کرنے کو جائز بتایا ہے، تاکہ وہ حضرات جو شب و روز خدمتِ قرآن میں لگے ہوئے ہیں پریشان حال نہ رہیں، اور جن حافظوں کو روپیہ لئے بغیر پڑھانے سے کوفت ہوتی ہے وہ تعلیم چھوڑ نہ بیٹھیں، جن حضرات نے قرآن کو ذریعۂ کسب نہیں بنایا اور اُن کی شخصیتوں سے نفع عظیم پہونچ رہا ہے، جب اُن کے اخراجات پورے نہ ہوں گے تو مجبوراً ذریعۂ معاش میں منہمک ہوں گے، اور جو لوگ بغیر پیسہ تعلیم کے لئے قدم ہی نہیں اٹھاتے وہ کیوں پڑھانے لگے؟ اس طرح قرآن کی دولت سے مسلمان محروم ہو جائیں گے، ان حالات کو دیکھ کر متأخرین نے تعلیم قرآن پر تنخواہ لینے کا فتویٰ دیا، اگر اُمت کی طرف سے قرآن کے خادموں کی خدمت میں دریغ نہ ہوتا تو فقہاء کو جوازِ تنخواہ کا فتوےٰ نہ دینا پڑتا۔

پھر یہ بات نہ بھولنی چاہیئے کہ یہ فتویٰ ضروری گزارہ کے لئے ہے،

دولت سمیٹنے اور دُکان داری کرنے کے لئے نہیں ہی، اور وہ بھی تعلیم قرآن کے متعلق ہی ایصالِ ثواب کے لئے، تلاوت کرنے یا تراویح میں سُنانے یا شبینہ میں پڑھنے یا دُکان وکاروبار میں برکت پہونچانے کے لئے جاجاکر پڑھنے کے متعلق ہرگز نہیں ہے، ان کاموں پر اجرت لینا بہر حال درست نہیں،

کون اللہ کے لئے پڑھاتا ہے اور مجبوراً تنخواہ لیتا ہے اور کون صرف تنخواہ ہی کے لئے پڑھاتا ہے اس کی پہچان اس وقت ہوتی ہے جب کسی مدرسہ سے ملازمت چھوٹ جاتی ہے، تو تنخواہ کا ذہن رکھنے والا حافظ وقاری مہینوں یوں ہی پھرتا رہتا ہے، اور بغیر تنخواہ کے ذرا بھی پڑھانے پر بھی راضی نہیں ہوتا، بلکہ صاف ارشاد ہوتا ہے کہ ہمارا دماغ مفت کا نہیں ہے جو بغیر قیمت کے خرچ ہو،

فالحاصل ان ماشاع فی زمننا من قراءۃ الاجزاء بالاجرۃ لا یجوز لان فیہ الامر بالقراءۃ واعطاء الثواب للآمر والقراءۃ لاجل المال فاذا لم یکن للقاری ثواب لعدم النیۃ الصحیحۃ فاین یصل الثواب الی المستاجر ولولا الاجرۃ ما قرء احد لاحد فی ھذا الزمان بل جعلوا القرآن العظیم مکسبا و وسیلۃ الی جمع الدنیا انا للہ وانا الیہ راجعون (کذا فی الرد المحتار علی الدر المختار ص ۳۸ ج ۵ کتاب الاجارۃ وفیہ ایضا بعد سطور) وقد قال العلماء ان القاری اذا قرء

لاجل المال فلا ثواب له فای شیٔ یھدیه الی المیت وانما یصل الی المیت العمل الصالح والاستئجار علی مجرد التلاوۃ لم یقل به احد من الائمۃ وانما تنازعوا فی الاستئجار علی التعلیم۔

# اپنی رائے سے تفسیر بیان کرنا

(۳۰) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ تَعَالٰی عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَالَ فِی الْقُرْاٰنِ بِرَایِهٖ فَلْیَتَبَوَّاْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ،

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو قرآن کے بارے میں اپنی رائے سے بولا اُسے چاہیے کہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنالیوے۔

---

وَفِیْ رِوَایَةٍ

مَنْ قَالَ فِی الْقُرْاٰنِ بِغَیْرِ عِلْمٍ فَلْیَتَبَوَّاْ مَقْعَدَهٗ فِی النَّارِ

(رواہ الترمذی)

دوسری روایت میں ہے:۔
کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو قرآن کے بارے میں بغیر علم کے بولا اُسے چاہیے کہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنالیوے۔

قرآن شریف اللہ کی کتاب ہے جو بندوں کے لئے آئین و دستور ہے، اس کی تفسیر اپنی رائے سے کرنا اور ان علوم سے جاہل ہوتے ہوئے جن کا

جانتا فہم قرآن کے لئے لازم اور ضروری ہے قرآن کا مطلب بتانا سخت گناہ ہے، جس کے متعلق آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایسے شخص کو چاہئے کہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنالیوے،

مفسر کے لئے ضروری ہے کہ اولاً قرآن کی تفسیر خود قرآن شریف ہی میں تلاش کرے، کیونکہ قرآن شریف میں اکثر ایسا ہے کہ ایک آیت کی توضیح وتفسیر دوسری آیات میں مل جاتی ہے، اگر قرآن شریف کی کسی جگہ کی تفسیر قرآن شریف میں نہ ملے تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشادات میں تلاش کرے، کیونکہ سنتِ نبویہ (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ) قرآن شریف کی مستند اور معتمد مفسر اور بہترین شارح ہے، ظاہر ہے کہ جس ذاتِ گرامیؐ پر قرآن کا نزول ہوا اس نے جو قرآن کی تفسیر کی ہو وہ سراسر حق ہو گی، اور اس کے خلاف جو بھی شخص تشریح کریگا وہ اور اس کی تفسیر مردود ہو گی، قال اللہ تعالیٰ اِنَّآ اَنۡزَلۡنَآ اِلَیۡكَ الۡكِتٰبَ بِالۡحَقِّ لِتَحۡكُمَ بَیۡنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ ط

اگر کسی آیت کی تفسیر حدیث شریف میں بھی نہ ملے تو حضرات صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے اقوال کی طرف رجوع کریں، کیوں کہ یہ حضرات آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد قرآن شریف کے سب سے زیادہ عالم تھے، حضرات صحابہؓ نزولِ قرآن کے وقت موجود تھے، اور ان قرائن واحوال سے باخبر تھے جو نزولِ قرآن کے وقت سامنے آتے رہتے تھے، پھر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صحبت کی برکت

فہم کامل، علم صحیح اور عملِ صالح کی دولت سے مالامال تھے، حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جیسا کہ اپنے صحابہؓ کو قرآن شریف کے الفاظ سکھلاتے تھے اسی طرح قرآن شریف کے معانی بھی بیان فرماتے تھے،

(ابو عبدالرحمٰن سلمی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حضرت عثمان بن عفانؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ وغیرہم نے فرمایا کہ ہم جب دس آیات آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سیکھتے تھے تو جب تک ان سے متعلقہ علم و عمل کو نہ جان لیتے تھے (دوسرے سبق کے لئے) آگے نہ بڑھتے تھے، قرآن اور قرآن کا علم و عمل ہم نے سب ساتھ ساتھ سیکھا ہے،

یہ ایک کھلی ہوئی بات ہے کہ جو بھی آدمی کسی فن کی کتاب پڑھتا ہے، (مثلاً حساب یا طب کی کتاب) تو ضرور بالضرور اس کے معانی اور مطالب کو اچھی طرح سمجھنے اور جاننے اور یاد رکھنے کی کوشش کرتا ہے، کیا یہ ہو سکتا ہے کہ حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اللہ کی مقدس کتاب کے معانی اور مطالب نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے معلوم نہ کئے ہوں، حالانکہ قرآن کو نجات کا ذریعہ اور دونوں عالم کی صلاح و فلاح کا وسیلہ سمجھتے تھے،

قرآن و حدیث اور تفسیر صحابہ پر جسے عبور نہ ہو ایسا شخص عربی دانی کے زور پر جو قرآن کا مطلب سمجھنے کی کوشش کرے گا ضرور گمراہ ہوگا، اور امت کو گمراہ کرے گا، قرآن کے صحیح مطالب واضح ہونے کے لئے ضروری ہے کہ عقیدہ اور عمل درست ہو، یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے

اپنی امت کو جن عقائد و اعمال پر ڈالا تھا اُن کا پابند ہو، فسق و فجور اور الحاد و زندقہ سے پاک ہو، قرآن پر چلنے کا ارادہ رکھتا ہو، قرآن کو اپنے نظریہ اور خود ساختہ معنی پر چپکانے کی نیت نہ ہو،

قرآن و حدیث اور تفسیرِ صحابہؓ پر عبور ہوتے ہوئے مفسّر کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ مندرجہ ذیل علوم میں کامل ہو:۔

(۱) عربی کے علم اللغت پر عبور ہو، حضرت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ عربی لغات جانے بغیر تفسیر کرنے والا جو شخص میرے پاس لایا جائے گا، اس کو عبرتناک سزا دوں گا، حضرت مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو شخص اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اس کے لئے حلال نہیں ہے کہ اللہ کی کتاب کے بارے میں زبان کھولے، جب تک کہ لغاتِ عرب نہ جانتا ہو

یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ ذرا بہت مختصر طریقہ پر عربی لغات جاننا کافی نہیں ہی، کیونکہ بعض کلمات مشترک ہوتے ہیں، جو چند معانی کے لئے آتے ہیں، جب تک پورے معانی کا علم نہ ہوگا تفسیر بیان کرنے میں غلطی واقع ہوجانے کا احتمال رہے گا، ہوسکتا ہے کہ کم علمی کی وجہ سے وہ معنی بتادیئے جو معلوم تھے، حالانکہ اس جگہ اس کے علاوہ وہ معنی مراد تھے جن کا علم نہ تھا۔

(۲) علمِ نحو سے پوری طرح واقف ہو، کیونکہ اعراب (زیر زبر وغیرہ کے بدلنے سے معانی بدل جاتے ہیں، اگر علمِ نحو سے واقفیت نہ ہوگی تو فاعل کو مفعول اور مفعول کو فاعل بناکر ترجمہ اور مطلب غلط بیان کردے گا،

(۳) علمِ صرف میں کمال رکھتا ہو جس کی وجہ سے اوزان اور صیغوں کی

پہچان ہوتی ہے، اور ثلاثی رباعی مجرد و مزید فیہ کے ابواب کا علم ہوتا ہے، اگر علم صرف سے واقف نہ ہوگا تو ایک ہی آیت کے ترجمہ میں کئی غلطیاں کر بیٹھے گا،

(۴) علم اشتقاق سے واقف ہوتا کہ دو مختلف مادوں سے مشتق ہونے کی وجہ سے جو معنی میں اختلاف پیدا ہو جاتا ہے اس کا پتہ رہے، مثلاً لفظ "مسیح" ہے، اس کا مادہ "مسح" بھی ہو سکتا ہے اور "مساحت" بھی،

(۵، ۶، ۷) علم معانی اور بیان و بدیع سے علی وجہ الکمال واقفیت رکھتا ہو، یہ تینوں علوم بلاغت ہیں، ان کے ذریعہ قرآن شریف کی فصاحت و بلاغت کا علم ہوتا ہے، اور اس کی معجزانہ شان معلوم ہوتی ہے اور عجائبات قرآن واضح ہوتے ہیں،

(۸) قراءتوں کا پوری طرح علم ہو،

(۹) ان اصول دینیہ سے علی وجہ الکمال واقف ہو، جو ان آیات میں صاف صاف واضح طور پر بیان کر دیئے ہیں جو متشابہات نہیں ہیں، اگر اصول دینیہ کا علم ہوگا تو آیات خفی الدلالت اور آیات متشابہات کا مطلب عقائد اسلام کے خلاف تجویز نہ کرے گا،

(۱۰) اصول فقہ سے واقف ہو،

(۱۱) اسباب نزول کا واقف ہو،

(۱۲) ناسخ و منسوخ کا عالم ہو،

(۱۳) علم فقہ سے کامل واقفیت رکھتا ہو،

(۱۴) اُن احادیث شریفہ کا خصوصیت کے ساتھ علم ہو جن میں مجملات اور مبہمات کی تفسیر بیان ہوئی ہے،

(۱۵) علم وہبی ہو جو اللہ تعالیٰ کا خاص عطیہ ہے، اور جو ہر آدمی کو نصیب نہیں ہوتا، بلکہ اس کا فیضان اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُن حضرات پر ہوتا ہے جو اعمالِ صالحہ سے آراستہ ہوں، دنیا سے بے رغبت ہوں، آخرت کے طالب ہوں،

علامہ زرکشی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وحیِ آلٰہی کے معانی اور اس کے اسرار اس شخص پر واضح نہ ہوں گے جس کے دل میں ذرا بھی بدعت یا تکبر ہو، یا جسمیں خواہش نفس کا اتباع یا دنیا کی محبت ہو، یا جو کسی گناہ پر اصرار کرتا ہو، یا جسے اپنے ایمان کا ٹھیک پتہ نہ ہو یا جو خود بے علم ہو اور کسی مفسر کے قول ہی کو نقل کر کے مفسر بننا چاہتا ہو، یا صرف عقلی اٹکلوں سے کام چلاتا ہو، یہ سب حجابات ہیں جو معارفِ قرآن کو ذہن میں نہ آنے دیں گے

جن علوم کا اوپر ذکر ہوا مفسر کے لئے آلات کا حکم رکھتے ہیں، انکے بغیر جو شخص تفسیر کا ارادہ کرے گا اس کی تفسیر ضرور تفسیر بالرائے بنجائیگی،[1]

قرآن اس لئے ہے کہ اس کا اتباع کیا جائے، اپنے علم و عمل اور فکر و نظر کو اس کے تابع بنایا جائے، اور کوئی نظریہ خود تجویز کر کے یا کسی لیڈر

---

[1] اس مضمون کا بیشتر حصہ تفسیر اتقان سے ماخوذ ہے، جو تلخیص اور کسی قدر تقدیم و تاخیر کے ساتھ مرتب کیا گیا ہے ۱۲

یا جماعت سے مُنکر مان لینا اور پھر یہ کوشش کرنا کہ اس نظریہ کو قرآن سے ثابت کر دیا جائے، الحاد اور بے دینی ہے، یہ قرآن پر چلنا نہیں، بلکہ قرآن کو اپنے نظریہ پر ڈھالنا ہے، معتزلہ، خوارج، نواصب، روافض، نیچری، قادیانی اور دیگر گمراہ فرقے یہی ناپاک کوشش کرتے رہے اور اب دَورِ حاضر میں منکرینِ حدیث یہی کام کر رہے ہیں، اپنے خود ساختہ افکار و نظریات کو ثابت کرنے کے لئے برابر قرآن کی تحریف میں مشغول ہیں، مسلسل کتابیں اور رسالے چھاپ رہے ہیں، ان دشمنانِ دین نے ضروریاتِ دین تک کو مسخ کر ڈالا ہے، توحید و رسالت، نماز، زکوٰۃ، روزہ، قربانی وغیرہا کے متعلق نئے نئے نظریات تراشتے ہیں اور اُن کو قرآن مقدس پر چپکانے کی ناپاک کوشش کرتے ہیں، اُن کے نزدیک روس اور یورپ اور امریکہ کے نظریات ہی اصل ایمان و اسلام ہیں، قرآن کو روس و امریکہ و یورپ کے مطابق بنانے اور اپنی خواہشات کو عین حکمِ خداوندی ثابت کرنے کے لئے عمریں خرچ کر رہے ہیں، اور قوم کی دولت لگا رہے ہیں، اسلام و مسلمان کی ہمدردی کا لبادہ اوڑھ کر سادہ لوح عوام اور اسکول کالجوں کے پروفیسروں، ٹیچروں اور طالب علموں کو ورغلاتے ہیں، یہ لوگ چونکہ مغربیت کے قاتلانہ ماحول میں تربیت پاکر آزادیِ نفس کے خوگر کر چکے ہیں، اور اس کی وجہ سے اسلام کے مطالبات و مقتضیات کا پابند ہونا گراں معلوم ہوتا ہے، اس لئے منکرینِ حدیث کے دامِ تزویر و تلبیس میں پھنس جاتے ہیں، اور نفس و شیطان کے بہکانے سے یہ سمجھتے ہیں کہ ہم صحیح

مسلمان ہیں، قرآن کو بس ہم نے اور ہمارے مغربیت زدہ مرشدوں نے سمجھا، اور حال یہ ہے کہ استاد و شاگرد عربی کے چند لغات اور شستہ اردو لکھ لینے یا پڑھ لینے سے زیادہ کوئی قابلیت نہیں رکھتے،

ان نادانوں کا معاملہ قرآن مجید کے ساتھ یہ ہے کہ اوّل اپنی طرف سے کوئی نظریہ گھڑتے ہیں، پھر اس کے ثابت کرنے کے لئے قرآنی آیات کی آڑ پکڑتے ہیں، ڈوبتے کو تنکے کا سہارا بہت ہوتا ہے، جہاں اپنے خیال فاسد میں کسی لفظ قرآنی کا ترجمہ اپنے نظریہ کے مطابق معلوم ہوا (خواہ عربیت کے لحاظ سے وہ ترجمہ غلط ہی ہو) بس آیت لکھی اور ترجمہ تراشا اور آٹھ دس صفحات سیاہ کر ڈالے، بے چارے اسکولوں اور کالجوں کے پڑھنے پڑھانے والوں نے یہ سمجھ لیا کہ آیت سے نظریہ ثابت ہو گیا،

خدا کے بندو! قرآن سے کہاں نظریہ ثابت ہوا؟ قرآن کو نظریے پر منڈھنے کی ملحدانہ کوشش کی گئی ہے، ان ملحدوں نے آخرت، جنت، جہنم وغیرہ کے مفہوم بدل کر ان الفاظ کو اپنے ایجاد کردہ معانی پہنائے ہیں، اور انہی کو پھیلانے کی کوشش کرتے ہیں، اور اب تو الفاظِ قرآن کے خود تراشیدہ معانی سمجھانے کے لئے جدید لغت نامہ تیار کر لیا ہے،

جہالت کی انتہا ہے کہ جس قوم کی زبان قرآن ہے ان کے لکھے ہوئے لغت نامہ غلط ہو جائیں اور جو لوگ عربیت سے محض ناواقف ہیں اُن کا لغت نامہ معتبر اور قابلِ تسلیم ہو جائے، یہ لوگ آخرت کے حساب کتاب کے قائل ہوتے تو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے اور سورہ حٰمٓ سجدہ کی اس تہدید پر دھیان دیتے،

اِنَّ الَّذِیْنَ یُلْحِدُوْنَ فِیْٓ اٰیٰتِنَا لَا یَخْفَوْنَ عَلَیْنَا،

"بلاشبہ جو لوگ ہماری آیتوں میں کجروی اختیار کرتے ہیں وہ لوگ ہم پر مخفی نہیں"،

شاید کسی کے دل میں یہ خطرہ گذرے کہ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہم نے قرآن کو آسان فرما دیا ہے اور مولوی صاحبان اس کے جاننے اور سمجھنے کے لئے پندرہ[۱۵] علوم کی شرط لگا رہے ہیں؟ اس وسوسہ کا جواب یہ ہے کہ بلاشبہ قرآن آسان ہے، مگر اپنے اصول کے ساتھ آسان ہے، کوئی بھی آسان چیز بغیر اپنے قاعدوں اور اصولوں کے آسان نہیں ہے، مثلاً حلوے کا لقمہ نگل لینا آسان ہے، مگر نگلنے سے پہلے اس کا بنانا پکانا، برتن سے اٹھا کر منہ تک لے جانا تو بہر حال ضروری ہے، اسی طرح قرآن شریف کے متعلق سمجھنا چاہئے کہ آسان تو ہے مگر عربی میں ہے، عربی سمجھنے کے لئے جن علوم کی ضرورت ہے اُن کے بغیر قرآن سمجھنے کی نیت کرنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص منہ تک لیجائے بغیر حلوہ نگلنے کی مجنونانہ نیت کرے،

قرآن شریف کے اوامر و نواہی کا سمجھ لینا اور حرام و حلال جان لینا تو اس قدر آسان ہے کہ جس نے قرآن نہ پڑھا اُس کے سامنے بیان کر دیئے جائیں تو وہ بھی سمجھ لے گا، لیکن اوّل سے آخر تک پورے قرآن مجید کی تفسیر جاننا اور معارف و دقائق کا نکالنا، مجمل و مبہم کی تعیین کرنا، مشترک الفاظ کے معانی میں سے کسی ایک کو سیاق و سباق دیکھ کر طے کرنا بہر حال مذکورہ بالا شرائط کے بغیر ناممکن ہے، اس زمانے کے جہلاء اپنی طرف سے قرآن کا

مطلب بتلانے میں ذرا نہیں جھجکتے، اور جن کی عمریں قرآن فہمی میں ختم ہوگئیں، وہ لب کھولتے ہوئے لرزتے ہیں، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے زیادہ قرآن سے واقفیت رکھنے والا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد کون ہو سکتا ہے، جب اُن سے سورۂ عبس کی آیت وَفَاكِهَةً وَّاَبًّا کا مطلب پوچھا گیا تو فرمایا کہ:۔

اَیُّ سَمَاءٍ تُظِلُّنِیْ اَوْ اَیُّ اَرْضٍ تُقِلُّنِیْ اِنْ قُلْتُ فِیْ كِتَابِ اللّٰهِ مَا لَا اَعْلَمُ۔ (تاریخ الخلفاء)

مجھے کونسا آسمان سائے میں رکھے گا اور کون سی زمین مجھے اٹھائیگی اگر میں اللہ کی کتاب کے بارے میں وہ بات کہدوں جس کا مجھے علم نہیں"

## ضرورتِ حدیث

(۳۱) وَعَنِ الْمِقْدَامِ بْنِ مَعْدِ يْكَرِبَ الْكِنْدِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ تَعَالٰى صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يُوْشِكُ الرَّجُلُ مُتَّكِئًا عَلٰى اَرِيْكَتِهٖ يُحَدَّثُ بِحَدِيْثٍ مِّنْ حَدِيْثِيْ فَيَقُوْلُ بَيْنَنَا وَ

حضرت مقدام بن معدیکرب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ عنقریب ایسا ہوگا کہ ایک شخص اپنے گدّے پر تکیہ لگائے بیٹھا ہوگا اس سے میری حدیث بیان کی جائے گی تو کہیگا کہ ہمارے تمھارے درمیان اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے اس میں جو ہم حلال پائیں گے

بَيْنَكُمْ كِتَابُ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ فَمَا وَجَدْنَا فِيهِ مِنْ حَلَالٍ اسْتَحْلَلْنَاهُ وَمَا وَجَدْنَا مِنْ حَرَامٍ حَرَّمْنَاهُ اَلَا وَاِنَّ مَا حَرَّمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلُ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ (رواہ ابن ماجۃ)

سے حلال مانیں گے، اور اس میں جس چیز کو حرام بتایا گیا ہے اسے ہم حرام سمجھیں گے (یہ فرما کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کی تردید کرتے ہوئے فرمایا کہ) خبردار جس چیز کو اللہ کے رسول نے حرام فرمایا ہے وہ انہی چیزوں کی طرح حرام ہے جنکو اللہ تعالیٰ نے حرام فرمایا ہے۔

اس حدیث مبارک میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ایک پیشین گوئی کا ذکر ہے جو منکرین حدیث سے متعلق ہے، جامع اور مختصر کلمات میں منکرین حدیث کے ظہور کی بھی خبر دی اور ان کا حال بھی بتایا کہ تکیہ لگائے بیٹھے ہوئے تکبر کے انداز میں انکارِ حدیث کریں گے اور ساتھ ہی منکرین حدیث کا دعویٰ اور دلیل اور پھر اس کی تردید چند الفاظ میں سب ہی کچھ ذکر فرما دیا، فصلی اللہ علی رسولہ وآلہ ومن اتبعہ فی علومہ واعمالہ۔

درحقیقت منکرین حدیث اگر انصاف پسند ہوتے تو صرف اسی ایک حدیث کو دیکھ کر انکارِ حدیث سے توبہ کر لیتے، اگر حدیثیں عدمِ ثبوت کی وجہ سے ناقابلِ قبول ہیں (جیسا کہ منکرین کا دعویٰ ہے) تو یہ حدیث کی پیشین گوئیاں کیوں ہو بہو صحیح ثابت ہو رہی ہیں؟

اس حدیث پاک میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خبر دی ہے

کہ منکرینِ حدیث پیدا ہوں گے، اور یہ بھی فرمایا کہ وجہ انکار دولت یا حکومت کا نشہ ہوگا، کرسی پر متکبرانہ انداز میں بیٹھے ہوئے حدیث کا انکار کریں گے،

ایک حدیث میں عَلٰی اَرِیْکَتِہٖ کے ساتھ لفظ شَبْعَانُ بھی مروی ہے، یعنی پیٹ بھرا آدمی تکیہ لگائے ہوئے انکار حدیث کا مدعی ہوگا،...

قربان جایئے صادق ومصدوق صلی اللہ علیہ وسلم پر جنھوں نے انکارِ حدیث کا سبب بھی ساتھ ہی ساتھ ارشاد فرما دیا، یہ ایک ثابت شدہ حقیقت ہے کہ منکرینِ حدیث جس قدر بھی ہیں عوام ہوں یا خواص وہی لوگ ہیں جو پیٹ بھرے ہیں اور آرام دہ کرسیوں پر بیٹھ کر احادیث شریفہ کا مذاق اڑاتے ہیں، بیچارے تنگدست، افلاس کے مارے، سادہ لوح مخلص بندوں کو نہ کفریہ باتیں کرنے کی فرصت ہے، نہ منکرینِ حدیث کا لٹریچر خریدنے کے لئے پیسے ہیں ان صالح انسانوں کی جیب اگرچہ پیسے سے خالی ہے، مگر الحمدللہ دل کی گہرائیوں میں ایمان بیٹھ چکا ہے، کسی فریبی کا جال انھیں زندیقیت میں نہیں پھانس سکتا،

منکرینِ حدیث نے لفظ "اہلِ قرآن" کا جو خوشنما لیبل لگا رکھا ہے، اس کا ذکر بھی فخر الاوّلین والآخرین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پیشنگوئی میں موجود ہے، کہ جب ان سے حدیث بیان کی جائے گی تو بول اٹھیں گے :-

بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ کِتَابُ اللّٰہِ عَزَّوَجَلَّ

"ہمارے تمھارے درمیان اللہ کی کتاب ہے"

مطلب یہ ہے کہ اتباعِ قرآن اور خدمتِ قرآن کا جذبہ دکھا کر حدیث کا

انکار کریں گے، پیشینگوئی کا یہ جُزو بھی ہُو بہ ہُو صادق آرہا ہے، حدیث کا انکار کرنے والوں نے قرآن کے نام کو انکارِ حدیث کی آڑ بنا رکھا ہے، جو جدّت پسند طبقہ کی نفسیات کے مطابق ہے، کیونکہ جب تک کوئی خوشنما مقصد اور نظریہ پیش نہ کیا جائے لوگ تیزی سے متوجہ نہیں ہوتے،

حلیۃ الاولیاء میں ہے کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے ساتھیوں کو... خطاب کرکے فرمایا کہ تمھارے بعد بہت زیادہ فتنے ہوں گے، جن میں مال بہت ہو جائے گا، اور قرآن عام ہو جائے گا، حتیٰ کہ اسے مؤمن بھی پڑھیں گے اور منافق بھی، چھوٹے بھی اور بڑے بھی، گورے بھی اور کالے بھی، بعض لوگ بول اٹھیں گے کہ میں لوگوں کو قرآن سناتا ہوں مگر نہ معلوم کیا بات ہے لوگ میری بات نہیں مانتے، اور میرے بتائے ہوئے طریقہ سے قرآن پر نہیں چلتے، لہٰذا اب یہ تدبیر کرنی چاہیے کہ لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے کوئی نئی چیز نکالوں، خبردار خبردار! اس کی نئی چیز کی لپیٹ میں تم نہ آنا، کیونکہ وہ جو نئی چیز نکالے گا بدعت ہوگی،

قرآن شریف ہدایت کی کتاب ہے، دستور ہے، آئین ہے، اس میں احکام ہیں، اوامر و نواہی ہیں اور انہی احکام و قوانین میں رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اتباع اور اطاعت کا حکم بھی ہے، قرآن شریف میں بہت سے احکام کا ذکر نہیں فرمایا گیا، اور بہت سے احکام و قوانین مجمل چھوڑ دیئے ہیں، اور چونکہ قرآن نے دین کے کامل ہونے کا بھی اعلان فرمایا ہے، اس لئے غیر مذکور احکام کی تعلیم اور مجمل احکام کی تفسیر و تشریح کے لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

کے اقوال و اعمال کی طرف رجوع کرنے کا حکم فرمایا، چنانچہ ارشاد ہے:۔

وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ (سورۃ الحشر)

"اور رسولؐ تم کو جو دیوے پس اسے لے لو اور جس سے تم کو روکے پس اس سے رک جاؤ"

اور فرمایا:۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ

"(اے نبیؐ) آپ فرما دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میرا اتباع کرو اللہ تم سے محبت فرمائے گا"

ایک جگہ ارشاد ہے:۔

وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۔ قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ۝ (آل عمران)

"اور بخشدیگا تمھارے گناہوں کو اور اللہ غفور رحیم ہے، آپؐ فرما دیجئے کہ اطاعت کرو اللہ کی اور اس کے رسولؐ کی، پس اگر روگردانی کریں تو بلاشبہ بات یہ ہے کہ اللہ نہیں دوست رکھتا کافروں کو"

اور فرمایا:۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ۝ (سورۃ الاحزاب)

تمہارے لئے اللہ کے رسولؐ کی ذاتِ گرامی میں (عمل کے لئے) عمدہ نمونہ موجود ہے (یعنی) اُس شخص کے لئے جسے خدا (سے ملنے) اور روزِ قیامت (کے آنے) کی امید ہو اور وہ خدا کا کثرت سے ذکر کرتا ہو"

ان آیات سے معلوم ہوا کہ پوری امت کو حکم ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حکم مانیں، آپؐ نے جس چیز سے روکا اُس سے رُکیں، اور آپ کی فرمانبرداری کریں، اور آپؐ کے نقشِ قدم پر چلیں، آپؐ نے جو کچھ فرمایا اور بتایا اور کرکے دکھایا سب دین ہے، اور دین کا آئین و دستور ہے، آپؐ کی فرمانبرداری اللہ ہی کی فرمانبرداری ہے، جیساکہ سورۂ نساء میں اس طرح اعلان موجود ہے:-

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ؕ

"جس نے رسولؐ کی اطاعت کی پس اس نے اللہ کی اطاعت کی"

قرآن کریم نے آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو معلّم بھی بتایا ہے اور مبلّغ بھی، حلال وحرام کا قانون بنانے والا بھی (وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ) قاضی بھی اور حکم (فیصلہ کرنیوالا) بھی، آمر (حکم دینے والا) بھی اور ناہی (منع کرنے والا) بھی، اور اسوۂ حسنہ بھی جس کی تصریحات جگہ جگہ آیات میں مذکور ہیں،

نیز قرآن شریف نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ عہدہ بھی بتایا ہے کہ کلامِ الٰہی کی تفسیر وتشریح فرمائیں، چنانچہ ارشاد ہے:-

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ

اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ (سورۂ نحل)

"اور ہم نے تم پر یہ کتاب نازل کی ہی تاکہ جو احکام لوگوں پر نازل ہوئے ہیں اُن کو بیان کردو اور تاکہ وہ غور کریں"

منکرین حدیث یہ کہہ کر لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں کہ "رسول بمعنی قاصد ہی، جس طرح پوسٹ مین (ڈاکیہ) ہوتا ہے اسی طرح رسولؐ بھی، رسول کا کام صرف خط پہنچا دینا ہے، اور بس، آگے مکتوب الیہ جانے کہ کیا لکھا ہے"! یہ اُن لوگوں کا بہت بڑا فریب ہی، جس کے ذریعہ بہت سے مغربیت زدہ لوگوں کو بہکا چکے ہیں، یہ دشمنانِ قرآن اتباعِ قرآن کا بھی نام لیتے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ قرآن حکیم کے واضح بیانات کے خلاف بولتے اور لکھتے بھی ہیں، رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو معاذ اللہ صرف ایک چٹھی رساں بتانا قرآن کے بیانات کو غلط بتانے کے ہم معنی ہے، ابھی ابھی جو آیات ہم نے نقل کی ہیں اُن سے صاف ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو العیاذ باللہ ڈاکیہ کا عہدہ نہیں دیا گیا تھا بلکہ آپؐ کے ذمہ تعلیم بھی ہی اور تبلیغ بھی، نیز قرآن شریف کا مطلب بیان کرنا اور حرام وحلال کا قانون بنانا بھی آپؐ کے عہدہ کی ذمہ داری کا جزو ہے، آپؐ کا حکم ماننا اور آپؐ کے نقشِ قدم پر چلنا قرآن شریف کے ماننے والوں کے ذمہ ڈال دیا گیا ہی، جو شخص اللہ کے برگزیدہ پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عہدہ کی اُن تفصیلات کا منکر ہو جن کا ابھی ذکر ہوا وہ قرآن کا منکر ہے، اور اس کا اہلِ قرآن بننے کا دعویٰ سراسر جھوٹ ہے،

اگر کوئی شخص یہ اعتراض کرے کہ قاصد کو اس قدر اختیارات کیونکر سپرد کئے گئے؟ تو یہ اعتراض علمائے اسلام پر نہیں بلکہ اللہ تعالےٰ کی ذاتِ اقدس پر ہے، علمائے حق تو صحیح معنی میں اہلِ قرآن ہیں، قرآن نے جو عہدہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا بتایا ہے اُسے تسلیم کرنے پر مجبور ہیں،

قرآن شریف میں نماز قائم کرنے کا حکم ہے، لیکن رکعاتِ نماز کی تعداد اور اوقاتِ نماز کا اوّل وآخر اور ارکانِ نماز کی تفصیلات نہیں بتائیں، اسی طرح زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم فرمایا ہے، مگر اس کا نصاب نہیں بتایا کب فرض ہوگی؟ کس پر فرض ہوگی؟ کتنی مقدار ادا کرنی ہوگی؟ ان سوالوں کے جواب سے قرآن خاموش ہے، ان چیزوں کے بیان و تفصیل کی ضرورت ہی یا نہیں؟ اگر ہے تو قرآن میں بیان کیوں نہ کی گئیں؟ کیا حکم دینا اور تعمیلِ حکم کا طریقہ نہ بتانا حکیمِ مطلق کی شان کے خلاف نہیں ہے؟ بلاشبہ خلافِ حکمت ہی، اور اسی وجہ سے ان چیزوں کی تشریحات و تفصیلات اپنے پیارے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زبانی بتائیں، اور عملی طور پر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہؓ کے سامنے ادا کر کے سمجھائیں، اسی طرح قرآن شریف میں حج کا حکم ہی، مگر اس کی تفصیلات اور احکام حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بتائے، طوافِ کعبہ کا طریقہ، اس کی ابتداء اور انتہاء، نیز صفا مروہ کی سعی، احرام کا طریقہ، احرام کی پابندیاں، حدیث شریف میں ملتی ہیں،

قرآن شریف میں مجمل طریقہ پر اُن کا ذکر ہے، نیز قرآن شریف میں نمازِ جنازہ کا ذکر ہے، اس کا طریقہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بتایا، اور بہت سے ایسے احکام ہیں جو قرآن شریف میں مجمل ہیں، اور احادیث شریفہ میں اُن کی تفصیلات ہیں، اگر حدیثوں کا انکار کیا جائے تو قرآن شریف کا اعلان اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ العیاذ باللہ صحیح نہیں رہتا، کیونکہ قرآن بے شمار احکام کے تذکروں سے اور تفصیلات سے خاموش ہے، زراعت، تجارت، معاشرت، سلطنت وغیرہا کے مفصّل احکام حدیث شریف ہی میں ملتے ہیں،

(حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ حدیث کے منکر ہیں قرآن شریف کے بھی منکر ہیں، جو قرآن کا ماننے والا ہوگا مجبوراً بحکم قرآن اسے حدیثوں کو ماننا اور حدیثوں پر عمل کرنا لازم و فرض ہوگا، قرآن و حدیث دونوں کے مجموعہ کا نام "اسلام" ہے، اور امت ہمیشہ سے دونوں کو جزوِ ایمان مانتی آئی ہے، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صرف معلّم الآداب ہی نہیں تھے بلکہ تحریم (حرام کرنے والا قانون بنانا) اور تحلیل (حلال بنانے والا قانون بنانا) بھی آپ کے عہدہ کا جزو ہے، آپ نے جس قول و فعل اور جس چیز کو حرام قرار دیدیا وہ حرام ہی رہے گی، جو یوں کہتا ہے کہ قرآن میں جسے حرام قرار دیدیا اس کے سوا سب حلال ہے جھوٹا اور ملحد اور زندیق ہے، جو آیت قرآنی یُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ کا منکر ہے،

---

ف۔ آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کردیا ۱۲

کسی چیز کو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حرام قرار دیدینا ایسا ہی ہے جیسے قرآن مجید نے حرام قرار دیا،

(مسلم) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ :۔

لعن اللہ الواشمات والمستوشمات والمتنمصات والمتفلجات للحسن المغیرات خلق اللہ،

"گودنے والیوں پر اور گودوانے والیوں پر، اور چہرہ کا رُوان اکھاڑنے والیوں پر اور دانتوں کو گھسکر حُسن کے لئے باریک بنانے والیوں پر اللہ کی لعنت ہو جو اللہ کی خلقت کو بدلنے والی ہیں"

یہ بات سُنکر ایک عورت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں آئی اور کہا کہ میں نے سُنا ہے آپ نے ایسے ایسے لعنت کی بات کہی ہے؟ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں اس پر کیوں نہ لعنت بھیجوں جس پر اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے لعنت بھیجی، اور جو اللہ کی کتاب میں ملعون ہے، یہ سنکر اس عورت نے کہا کہ میں نے تو پورا قرآن دونوں گتوں کے درمیان پڑھ لیا، اور قرآن میں وہ بات نہ پائی جو آپ نے بیان کی، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اگر تو پڑھتی تو تجھے وہ بات ضرور (قرآن میں) مل جاتی، کیا تو نے یہ نہیں پڑھا کہ :۔

وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا

"اور تمکو رسول جو دیں اسے لیلو اور جس سے روکیں بس رُک جاؤ"

اس عورت نے عرض کیا کہ ہاں (یہ تو پڑھا ہے) فرمایا، اسی میں وہ بات آگئی جو میں نے بیان کی، کیونکہ رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کاموں سے منع فرمایا ہے (مشکوٰۃ شریف)

منکرین حدیث ایمانی بصیرت سے محروم ہونے کے سبب یورپ کی عینک لگا کر حدیث کو دیکھتے ہیں، اور جب اس بے بصیرت عینک کی وجہ سے حدیث سمجھ میں نہیں آتی، تو مولوی کی بنائی ہوئی بتا دیتے ہیں، اور کبھی حدیث کے جھٹلانے کے لئے تاریخ کا سہارا لیتے ہیں، یہ عجب حماقت ہے کہ تاریخ کو معتبر مانتے ہیں، جس میں اکثر مورخ اپنی رائے اور قیاس سے بہت کچھ لکھتا اور بے سند روایات درج کر دیتا ہے، اور حدیث کو غیر معتبر سمجھتے ہیں جس کے راوی شروع سے آخر تک معلوم ہیں، اور جس کا ذخیرہ بڑی تحقیق و تدقیق کے ساتھ محفوظ کیا گیا ہے،

فَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ ۝

## حدیث کا پڑھنا پڑھانا،

(۳۲) وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ تَعَالٰى صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ نَضَّرَ اللّٰهُ امْرَأً سَمِعَ

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ تعالیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ اس شخص کو تر و تازہ رکھے جس نے ہم سے کوئی چیز سنی، پھر جیسی

بِنَا شَیْئًا فَبَلَّغَہٗ کَمَا سَمِعَہٗ فَرُبَّ مُبَلَّغٍ اَوْعٰی مِنْ سَامِعٍ رواہ الترمذی

سُنی اسے ویسی ہی (دوسروں تک) پہونچادی، کیونکہ بہت سے وہ لوگ جن کو (بات) پہونچائی گئی (اصل) سننے والے سے زیادہ محفوظ رکھنے والے ہیں !!

حدیث حاصل کرکے دوسروں تک پہنچانے والوں کے لئے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دُعاء دی ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے انسانوں کو تروتازہ رکھے، دوسری دعاؤں کی طرح بلاشبہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یہ دُعاء بھی مقبول ہے، اور اس کی مقبولیت کا یہ نتیجہ آنکھوں کے سامنے ہے کہ حدیثِ نبوی (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) سے شغف اور تعلق رکھنے والے حضرات کے چہرے نورانی اور تروتازہ اور جسمانی قویٰ بہت مضبوط ہوتے ہیں، اُن کے پُرسکون باطن کا اثر چہروں سے ظاہر ہوتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ اپنے حال میں مست ہیں، کوئی دولت اُن کو ایسی مل گئی ہے جس نے غمِ دنیا بھلا دیا ہے، یہ تو اُن کا دنیوی حال ہے جو نظروں کے سامنے ہے، اور دُعاءِ نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) کا اثر میدانِ قیامت اور جنت میں بھی دیکھنے والے دیکھ لیں گے تَعْرِفُ فِیْ وُجُوْهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِیْمِ ؕ

دعاء دیتے ہوئے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فَبَلَّغَہٗ کَمَا سَمِعَہٗ فرمایا ہے، درحقیقت ان الفاظ میں ایک بہت بڑی ذمہ داری کا بوجھ ڈالا گیا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ جب حدیثِ نبوی

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، سنو تو دھیان سے سنو، اور صحیح یاد رکھو، اور پھر جب اس کو پہونچانے لگو تو ٹھیک جس طرح سنی تھی اسی طرح پہنچا دو، اگر ٹھیک طرح یاد رکھنے اور جیسی سنی تھی ویسی ہی پہونچانے کا دھیان نہ رکھا تو اپنی طرف سے الفاظ ملاکر یا ہم معنی الفاظ بول کر مطلب بیان کروگے، حالانکہ الفاظِ نبوّت کی جامعیت اور بلاغت میں بہت نے اسرار و نکات پوشیدہ ہوتے ہیں، جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے خصوصی سمجھ سے نوازا ہے وہ ان الفاظ سے بڑے بڑے مسائل حل کرلیتے ہیں، بہت ممکن ہے کہ جس کو پہلے حدیث پہونچی وہ حدیث کے حقائق و معارف تک نہ پہونچ سکا، یا کچھ سمجھا کچھ نہ سمجھا، لہٰذا ضروری ہے کہ حدیث جوں کی توں بالکل ٹھیک صحیح الفاظ کے ساتھ شاگردوں تک پہنچادی جاوے، ہوسکتا ہے کہ شاگرد زیادہ علم، زیادہ فقہ اور زیادہ عقل و سمجھ والا ہو، فرب حامل فقہ غیر فقیہ ورب حامل فقہ الی من ھو افقہ منہ۔

## روایتِ حدیث میں احتیاط

(۳۳) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالىٰ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری طرف سے بات

اِتَّقُوا الْحَدِیْثَ عَنِّیْ اِلَّا مَا عَلِمْتُمْ فَمَنْ كَذَبَ عَلَیَّ مُتَعَمِّدًا فَلْیَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ ۔ (رواہ الترمذی)

بیان کرنے سے بجز مگر (ہاں) جو صحیح معلوم ہو کیونکہ جس نے مجھ پر قصداً جھوٹ باندھا اُسے چاہیے کہ دوزخ میں اپنا ٹھکانا بنالیوے ۔

روایتِ حدیث میں سخت احتیاط کی ضرورت ہی، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جو نہ فرمایا ہو اس کے متعلق یوں کہنا کہ رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا سخت ترین گناہ ہے، اس حدیث پاک میں اسی پر تنبیہ فرمائی ہے اگر لوگوں میں مشہور ہو کہ فلاں بات حدیث ہی، اور محقق عالم یا معتبر و مستند کتاب کے ذریعہ اس کے حدیث ہونے کا یقین نہ ہو تو ہرگز حدیث کہہ کر بیان کرنا جائز نہیں ہی، غیر حدیث کو قصداً حدیث بتا کر بیان کرنے کے متعلق آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایسی حرکتِ بد کرنے والا اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنالیوی یعنی دوزخ میں جلنے کے لئے تیار رہے۔

بعض روایاتِ حدیث میں لفظ مُتَعَمِّدًا (یعنی قصداً) کی قید نہیں ہے، چنانچہ حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہی کہ انھوں نے اپنے والد جناب زبیر بن العوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرض کیا کہ میں دیکھتا ہوں آپ رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے حدیث بیان نہیں کرتے جس طرح فلاں فلاں (اصحاب) روایت فرماتے ہیں، یہ سنکر حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ :-

اما انی لم افارقہ منذ اسلمت ولکنی سمعتہ یقول من کذب علیّ فلیتبوأ مقعدہ من النار۱

خبردار! (یہ بات نہیں ہے کہ میں نے حدیثیں سنی نہ ہوں، میں نے حدیثیں خوب سنی ہیں) جب سے میں مسلمان ہوا..... آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے جدا نہیں ہوا، لیکن (حدیث کی روایت نہ کرنا احتیاط کی وجہ سے اور غلط بیان ہوجانے کے خوف سے ہے) میں نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے سنا ہے کہ جو شخص مجھ پر جھوٹ باندھے اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنالیوے۔

حدیث من کذب علیّ کے راوی حضرات صحابہؓ میں سنّو سے بھی زیادہ ہیں، اور اس حدیث میں جو وعید آئی ہے اس کی وجہ سے بہت سے صحابہؓ اور تابعین روایتِ حدیث میں بہت احتیاط برتتے تھے، اور روایت کرکے اس قسم کے الفاظ کہتے تھے کہ او نحو ھذا او شبہ ھذا (یعنی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایسا فرمایا، یا اس جیسا فرمایا) یہ اس ڈر سے بڑھاتے تھے کہ شاید کچھ بھول چوک یا کمی زیادتی الفاظ میں ہوگئی ہو، حضرات خلفائے راشدین اور بڑی فضیلتوں والے صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم خصوصیت کے ساتھ حدیث کی روایت کرنے سے بچتے تھے،۲

بعض روایات میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تین شخص جنّت کی خوشبو نہ سونگھیں گے (۱) جس نے اپنے باپ کو

---

۱ و ۲ مقدمہ موضوعات کبیر ۱۲

چھوڑ کر کسی دوسرے کو اپنا باپ بنایا (۲) جس نے اپنے نبی (صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم) پر جھوٹ بولا (۳) جس نے اپنی آنکھوں پر تہمت رکھی (یعنی جھوٹا خواب بنا کر بیان کیا) اور ایک روایت میں ہی کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ :۔

من قال علیّ مالم اقل فلیتبوأ مقعدہ من النار[۱]

"جس نے میرے ذمہ وہ بات لگائی جو میں نے نہیں کہی اُسے چاہئے کہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنا لیوے"۔

جھوٹ بولنا یوں بھی گناہ کبیرہ ہے، پھر کسی کے ذمہ بات لگانا کہ اس نے یوں کہا ہے (حالانکہ وہ اس کے کہنے سے بری ہے) اس سے اور زیادہ گناہگاری میں اضافہ ہو جاتا ہے، اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی پر جھوٹ باندھنا یہ ڈبل گناہ سے بھی زیادہ ہے، جس کو بعض علماء نے کفر بھی کہا ہے، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر جھوٹ باندھنا دوسرے شخصوں پر جھوٹ باندھنے سے زیادہ سخت جرم ہی اور اس کا نتیجہ دنیا و آخرت میں بہت بدترین ہے، جس کی وجہ یہ ہے کہ ارشادِ نبوی (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) سے شریعت بنتی ہے، جس نے آپؐ پر جھوٹ باندھا اس نے اللہ کے ذمہ جھوٹ لگایا، اور شریعت اپنی طرف سے تجویز کر کے امتِ مسلمہ کو گمراہ کرنے والا بنا۔[۲]

اس زمانے میں جہاں دوسری آفتیں اور مصیبتیں دین اور علم دین

---

۱ مقدمہ موضوعاتِ کبیر ۱۲ ۲ ایضاً ۱۲

کے لئے کھڑی ہوگئی ہیں، وہاں یہ بھی ایک بھاری مصیبت درپیش ہے کہ بے علم لوگ وعظ و تقریر اور تصنیف و تالیف کے ذریعہ مسائل و فضائل پھیلاتے ہیں، اردو کی غیر معتبر کتابیں یا تصوف و تاریخ کے مضامین دیکھکر حدیثیں بیان کرتے پھرتے ہیں، جہاں کوئی حکمت و موعظت کی بات عربی میں نظر پڑی، بس اس کو حدیث بنا کر پیش کردیا، اور کسی کتاب یا مضمون کا جزو بنا دیا، اس غیر محتاط طریقے کی وجہ سے بہت سی باتیں اور عبارتیں حدیث کے نام سے مشہور ہوگئی ہیں، نہ ہر صحیح بات حدیث ہوتی ہے نہ عربی میں حکمت و موعظت کا ہونا حدیث ہونے کی دلیل ہے، فلیس[۱] کل ما هو حق حدیثا بل عکسه،

بہت سے لوگ فضائلِ اعمال کی حدیثیں سُناتے ہیں، یا فرائض چھوڑنے اور حرام کاموں کے کرنے پر وعیدیں بیان کرتے ہیں، اور اس سلسلہ میں بڑے بڑے ثواب یا عذاب بتاتے ہیں، اور خود تجویز کرکے رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نامِ نامی اسمِ گرامی سے منسوب کردیتے ہیں، اور سمجھتے یہ ہیں کہ ہم اچھا کام کر رہے ہیں، یہ لوگ سراسر اپنی آخرت خراب کرتے ہیں، حدیث گھڑکر ثواب و عذاب بتانا اور کسی کو نیکی پر لگانا یا گناہ سے باز رکھنا اور خود دوزخ میں چلا جانا بڑی حماقت ہے، ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ موضوعاتِ کبیر میں علامہ نووی رحمہ اللہ تعالیٰ سے نقل فرماتے ہیں کہ:-

---

[۱] هذه الجملة من علی القاری فی الموضوعات،

وَلا فرق فی تحریم الکذب علیہ علیہ السلام بین ما کان فی الاحکام وما لاحکم فیہ کالترغیب والترھیب و الوعظ وغیر ذٰلک من انواع الکلام فکل حرام من اکبر الکبائر واقبح القبائح باجماع المسلمین الذین یعتد بھم فی الاجماع[1]

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر جھوٹ باندھنا خواہ احکام میں ہو خواہ غیر احکام میں، مثلاً ترغیب وترہیب وعظ وغیرہ میں اس کی حرمت میں کوئی فرق نہیں، بہرحال حرام ہے، کبیرہ گناہوں سے بھی بڑا ہے، اور بدترین خصلت ہی، اس پر تمام مسلمانوں کا اجماع یعنی اتفاق ہے۔"

آجکل جاہل سے جاہل آدمی بھی دینیات کی کتابیں لکھنے لگے ہیں، اور سُنی سنائی باتوں اور بنائی ہوئی دعاؤں کو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حدیث بتا دیتے ہیں، اور فضائل کی روایتیں جو جاہل واعظوں نے گھڑی ہیں اُن کو لکھ کر کتابوں کے صفحات اور اپنے اعمال نامہ سیاہ کرتے چلے جاتے ہیں، تحریر وتقریر میں اعلانِ حق اور صحیح مسلک بیان کرنے سے زیادہ اس امر کا خیال رکھا جاتا ہے کہ لوگوں کو پسند آئے، جس سے داد بھی ملے، اور عطیہ بھی، اور کتاب بھی خوب فروخت ہو، یہ مقصد صحیح روایات سے پورا نہیں ہوتا تو لامحالہ عوام کے ذوق کا خیال رکھ کر غلط مسائل وفضائل اور ساختہ وتراشیدہ حدیثوں سے کام چلاتے ہیں، اس قسم کی روایات کتاب "رکن الدین[2]" اور "فلاحِ دین[3] ودنیا" میں بکثرت ہیں، ان دنیاداروں کا

---

[1] مقدمہ کتاب المذکور ۱۲ [2] از رکن الدین الوری ۱۲ [3] از شوکت علی فہمی ۱۲

یہ حال ہے کہ حدیثیں گھڑنے اور بے سند جھوٹی حدیثیں بیان کرنے میں ذرا نہیں جھجکتے،

ایک حدیث جھوٹی مشہور ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کے تیسرے روز دودھ اور کھجوروں پر نیاز دی، بدعتی مولوی اس حدیث کو لئے پھرتے ہیں جو حدیث کی کسی بھی کتاب میں نہیں ہے،

احقر نے ایک مرتبہ کلکتہ میں علی الاعلان عید الاضحیٰ کی نماز کے موقع پر کہہ دیا کہ عیدین کا مصافحہ بدعت ہے، اس پر عوام ناراض ہوئے تو ہوئے بدعتی نیم مُلّا جو شہر میں موجود ہوتے ہیں وہ بھی برہم ہو گئے، چونکہ عوام سے غرضیں اٹکی ہوئی ہیں اس لئے جھوٹی حدیثیں بیان کر کے عوام کو خوش رکھنے کی عادت ہو گئی ہے، ایک بدعتی نے یہ غضب کیا کہ ایک شخص کے ذریعہ عید کے دن مصافحہ کرنے کی حدیث اردو میں گھڑ کر مشکوٰۃ شریف کے حوالہ سے میرے پاس بھیجی، جب میں نے اس شخص کے ذریعہ کہلا بھیجا، کہ اس حدیث کی عربی عبارت لکھ کر بھیجو تب کوئی جواب نہ آیا،

(۴۳) وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ وَالْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالَىٰ عَنْهُمَا قَالَا قَالَ رَسُولُ اللهِ تَعَالَىٰ صَلَّى اللهُ تَعَالَىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ حَدَّثَ

حضرت سمرۃ بن جندب اور مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے میری طرف نسبت کر کے کوئی بات بیان کی جسے وہ جھوٹ

| | |
|---|---|
| عَنِّیْ بِحَدِیْثٍ یُرٰی اَنَّهٗ کَذِبٌ فَهُوَ اَحَدُ الْکَاذِبِیْنَ، (رواہ مسلم) | سمجھ رہا ہے تو وہ جھوٹوں میں کا ایک جھوٹا ہے" |

جس بات کے متعلق یہ شک ہو کہ حدیث نبوی (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) ہے یا نہیں اس کو حدیث کہہ کر بیان کرنا جھوٹ بولنا ہی ہے، چلتے پھرتے واعظوں سے سُن کر یا مولوی نما جاہل مصنفوں کی غیر معتبر کتابوں میں دیکھکر خواہ مخواہ حدیث سمجھ لینے اور پھر اس کو دوسروں تک حدیث کہہ کر پہنچا دینے سے پرہیز کرنا چاہیئے،

یہاں یہ نکتہ بھی قابلِ ذکر ہے کہ جب حدیث ہونے نہ ہونے کا شک ہونے پر حدیث کہہ کر بیان کرنا گناہ ہے تو یہ جانتے ہوئے اور یقین کرتے ہوئے کہ حدیث نہیں ہے حدیث کہہ کر بیان کرنا کس قدر سخت گناہ ہوگا، ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ موضوعاتِ کبیر کے مقدمہ میں حافظ زین الدین عراقی رحمہ اللہ تعالیٰ سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :۔

"احادیث نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو اپنے وعظوں میں واعظینِ حدیث کی صحت اور غیر صحت کے جانے بغیر نقل کرتے ہیں، اس قسم کے کسی آدمی سے اگر کوئی حدیثِ صحیح اتفاقاً بیان ہو بھی گئی تب بھی گنہگار ہوگا، کیونکہ اس نے وہ چیز بیان کی جس کے متعلق صحیح اور غیر صحیح کا علم نہ تھا"

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قوتِ حافظہ مشہور ہے، تمام صحابہ کرامؓ سے زیادہ قوی الحفظ تھے، ان کو اپنے حافظہ پر بڑا ناز بھی تھا

اس کے باوجود ذرا سا بھی شبہ ہوتا تو حدیث بیان کرنے سے ہچکچاتے تھے، (بخاری ومسلم میں ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کی کہ (قیامت کے دن) دوبار جو صور پھونکا جائے گا ان دونوں کے درمیان چالیس کا فاصلہ ہوگا، حاضرین نے دریافت کیا کہ اے ابوہریرہ (کیا چالیس) آیا چالیس دن؟ جواب دیا کہ میں نہیں کہہ سکتا عرض کیا تو چالیس مہینے؟ فرمایا میں نہیں کہہ سکتا، پھر دریافت کیا کہ آیا چالیس سال؟ جواب دیا کہ میں نہیں کہہ سکتا، سبحان اللہ سب سے بڑے حافظ ومحدث کی یہ احتیاط،

## مرضِ جہالت کی شفا معلوم کر لینے میں ہے،

(۳۵) وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ خَرَجْنَا فِيْ سَفَرٍ فَاَصَابَ رَجُلًا مِّنَّا حَجَرٌ فَشَجَّهٗ فِيْ رَاْسِهٖ فَاحْتَلَمَ فَسَاَلَ اَصْحَابَهٗ هَلْ تَجِدُوْنَ لِيْ رُخْصَةً فِي التَّيَمُّمِ قَالُوْا مَا نَجِدُ لَكَ رُخْصَةً وَاَنْتَ تَقْدِرُ عَلَى الْمَآءِ فَاغْتَسَلَ فَمَاتَ فَلَمَّا قَدِمْنَا عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ ہم (چند صحابہؓ) ایک سفر میں نکلے ہم میں سے ایک شخص کے پتھر لگ گیا، جس نے ان کا سر زخمی کر دیا (جب وہ سو گئے تو ضعف ونقاہت کی وجہ سے) احتلام ہو گیا، انھوں نے اپنے ساتھیو سے پوچھا کیا آپ لوگ میرے لئے تیمم کی اجازت کا فتویٰ دیتے ہیں؟ انھوں نے جواب دیا کہ پانی پر قدرت ہوتے ہوئے

أُخْبِرَ بِذٰلِكَ قَالَ قَتَلُوْهُ قَتَلَهُمُ اللّٰهُ أَلَا سَأَلُوْا إِذْ لَمْ يَعْلَمُوْا فَإِنَّمَا شِفَاءُ الْعِيِّ السُّؤَالُ إِنَّمَا كَانَ يَكْفِيْهِ أَنْ يَّتَيَمَّمَ وَيُعَصِّبَ عَلٰى جُرْحِهٖ خِرْقَةً ثُمَّ يَمْسَحَ عَلَيْهَا وَيَغْسِلَ سَائِرَ جَسَدِهٖ ۔ (رواہ ابوداؤد)

تیمم کی اجازت ہماری سمجھ میں نہیں آتی، یہ جواب سنکر انھوں نے غسل کرلیا جس کی وجہ سے اُن کی موت ہوگئی پھر جب ہم نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ کو اس واقعہ کی خبر مل گئی، واقعہ سُنکر آپ نے ارشاد فرمایا کہ مسئلہ بتانیوالوں نے اس کو مار ڈالا، خدا ان کو سمجھے، کیوں نہ پوچھ لیا جبکہ علم نہ تھا، کیونکہ مریضِ جہالت کی شفاء سوال کرلینا ہی ہے، اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ اس کو بس یہی کافی تھا کہ تیمم کرلیتا، اور (اگر زخم چھوڑکر باقی بدن پر پانی ڈالنے سے مرض بڑھنے یا مرنے کا خطرہ نہ تھا تو) زخم پر کسی کپڑے کی پٹی باندھ لیتا پھر اُس پر مسح کرلیتا اور باقی جسم کو دھو لیتا"

اس قصہ سے دو اہم باتیں معلوم ہوئیں، اوّل یہ کہ جب تک مسائل و احکام کا صحیح اور یقینی علم نہ ہو، اس وقت تک مسئلہ بتانا اور فتویٰ دینا درست نہیں ہے، اس سلسلے میں کچھ تفصیل انشاء اللہ تعالیٰ حدیث نمبر ۳۹ کے ذیل میں بیان ہوگی،

دوم یہ کہ علم نہ ہو تو جاننے والوں سے دریافت کرنا لازم ہے، دینیات سے جاہل رہنا مسلمان کی شان نہیں ہے، خصوصًا جبکہ کسی معاملہ اور موقع کے لئے شرعی حکم کی ضرورت پڑے تو جاننے والے سے معلوم کرکے تب عمل کرے،

**فائدہ** جن صاحب کے پتھر لگ گیا تھا اُن کو جن حضرات نے فتویٰ دیا، اُن سے خطاء اجتہادی ہوگئی، اُن کی نظر پانی موجود ہونے پر گئی، سوال کرنے والے کے مرض پر نہ گئی،

# دینی مسائل معلوم کرنے میں شرم نہیں

(۳۶) وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ قَالَتْ اُمُّ سُلَيْمٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيِيْ مِنَ الْحَقِّ فَهَلْ عَلَى الْمَرْاَةِ مِنْ غُسْلٍ اِذَا احْتَلَمَتْ؟ قَالَ نَعَمْ اِذَا رَاَتِ الْمَاءَ فَغَطَّتْ اُمُّ سَلَمَةَ وَجْهَهَا وَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَوَ تَحْتَلِمُ الْمَرْاَةُ قَالَ نَعَمْ تَرِبَتْ يَمِيْنُكِ فَبِمَ يُشْبِهُهَا وَلَدُهَا،

(رواہ البخاری ومسلم)

حضرت اُمِّ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے کہ اُمِّ سُلَیم (صحابیہ) رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ یا رسول اللہ! بے شک اللہ تعالیٰ حق سے نہیں شرم کرتے ہیں (اسی وجہ سے میں ایک مسئلہ دریافت کرتی ہوں ارشاد فرمائیے) کیا عورت پر غسل فرض ہوتا ہے جبکہ اُسے احتلام ہو جائے؟ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہاں (غسل فرض ہو جاتا ہے) بشرطیکہ بیدار ہونے کے بعد (کپڑے یا بدن پر) منی دیکھے، اُمّ المؤمنین حضرت اُمِّ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا (چونکہ وہیں موجود تھیں) انھوں نے (اوّل تو شرم سے) مُنہ ڈھک لیا اور (پھر شریعت کا مسئلہ ضروری جان کر زبان کھولی اور) عرض کیا

یارسول اللہ کیا عورت کو بھی احتلام[1] ہوتا ہے؟ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں (ہوتا ہے) تیرا بھلا ہو (اتنا بھی نہیں جانتی) اگر عورت کے منی نہیں تو بچہ اس کا ہمشکل کیسے ہوتا ہے؟"

(اس حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ دینی معلومات میں شرم کرنا درست نہیں، ایک عورت نے بلاواسطہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے احتلام کا مسئلہ معلوم کرلیا اور آپؐ نے بلا تکلف جواب دیدیا، انسانی زندگی کے تمام احوال کے احکام وآداب شریعتِ مطہرہ میں ہیں، اُن میں بعض چیزیں شرم کی بھی ہیں، مگر جب تک علم نہ ہوگا غلط اور بے قاعدہ عمل کرکے گنہگار ہوں گے، شرم اور جھجک توڑکر دین سیکھنا لازم ہے،

انصار کی عورتیں دینی مسائل معلوم کرنے میں شرم نہ کرتی تھیں، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایسی عورتوں کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا:

نعم النساء نساء الانصار لم یمنعهن الحیاء ان یتفقهن فی الدین[2]،

اچھی عورتیں ہیں انصار کی عورتیں، دینی معلومات حاصل کرنے سے اُن کو شرم نے نہیں روکا۔)

حضرت مجاہدؒ نے فرمایا:-

لا یتعلم العلم مستحی ولا متکبر[3]،

---

[1] شاید حضرت اُمِّ سلمہؓ کو کبھی احتلام نہ ہوا ہو، اس لئے ایسا سوال کیا، ۱۲

[2] و [3] بخاری شریف، کتاب العلم،

"شرمیلا آدمی اور متکبر شخص علم حاصل نہیں کر سکتا"

بہت سے لوگ بڑی عمر ہو جانے کی وجہ سے نماز یاد کرنے یا مسئلہ معلوم کرنے میں خفت محسوس کرتے ہیں، اور برسوں جاہل رہتے ہیں، ایسے لوگوں کو اس حدیث سے عبرت لینی چاہئے، ذرا سی خفت کا خیال کر کے آخرت خراب کرنا بڑی نادانی ہے،

# اسلام دین کامل اور جامع شریعت ہے

(۳۷) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ تَعَالٰی صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّمَا اَنَا لَکُمْ مِثْلُ الْوَالِدِ لِوَلَدِهٖ اُعَلِّمُکُمْ اِذَا اَتَیْتُمُ الْغَائِطَ فَلَا تَسْتَقْبِلُوا الْقِبْلَةَ وَلَا تَسْتَدْبِرُوْهَا وَاَمَرَ بِثَلَاثَةِ اَحْجَارٍ وَّنَهٰی عَنِ الرَّوْثِ وَالرِّمَّةِ وَنَهٰی اَنْ یَّسْتَطِیْبَ الرَّجُلُ بِیَمِیْنِهٖ،

(رواہ ابن ماجة)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا میں تمہارے لئے ایسا ہی ہوں جیسے باپ اپنی اولاد کے لئے ہوتا ہے، میں تم کو سکھاتا ہوں جب پاخانہ جاؤ تو قبلہ کو منہ نہ کرو، اور نہ پشت کرو، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ استنجے کے دیگر آداب بھی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تعلیم دیئے مثلاً حکم فرمایا کہ (کم از کم) تین پتھروں (یا ڈھیلوں) سے (بڑا) استنجاء کرو، اور لید ہڈی سے استنجا کرنے

سے منع فرمایا اور اس سے (بھی) منع فرمایا کہ انسان اپنے داہنے ہاتھ سے استنجاء کرے۔"

اس حدیث پاک میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تمہارے لئے باپ کی طرح ہوں، یعنی جیسے باپ اپنے بچے کو ہر بات اور ہر کام کا قاعدہ اور سلیقہ بتاتا ہے اسی طرح میں بھی تم کو کھانے پینے، اوڑھنے بچھانے کے طریقے حتیٰ کہ پاخانہ پیشاب کے قاعدے بتاتا ہوں، اس ارشاد سے اوّل تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شفقت کاملہ معلوم ہوئی، اور دوسرے غافل ماں باپ کو ذمہ داری کا احساس دلایا کہ بحیثیت ماں باپ ہونے کے اپنی اولاد کو اخلاق و آداب سکھانا تمہاری اہم ذمہ داری ہے اوّل تو فطری جذبہ کا تقاضا اور دوسرے شریعت مطہرہ کا حکم دونوں چیزیں مل کر ماں باپ کی ذمہ داری تعلیم اولاد کے متعلق دوچند ہو جاتی ہے پھر مسلمان ماں باپ صرف ماں باپ ہی نہیں ہیں بلکہ اسلامی معلّم اور مبلّغ بھی ہیں، اُن کی ذمہ داری ہے کہ اسلامی احکام اور اسلامی اخلاق و آداب جہاں دوسروں کو سکھائیں وہاں اپنی اولاد کو بھی تعلیم دیں،

ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ اپنی اولاد کو نماز کا حکم دو جب سات برس کے ہو جائیں، اور نماز نہ پڑھنے پر اُن کو مارو جب وہ دس برس کے ہو جائیں، (مشکوٰۃ شریف)

پھر چونکہ دینِ اسلام کامل و مکمل دین ہے، اس لئے ہر شعبۂ زندگی اور ہر موقع کے لئے پیغمبر اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے آداب و اخلاق

اور احکام سیکھنا لازم ہے، صحیح ادب کیا ہے اور صحیح اخلاق کیا چیز ہے، اور پاک و ناپاک کی کیا تفصیلات ہیں؟ اگر ان کو تعلیماتِ نبویہ (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ) کی روشنی میں نہ سیکھا تو صحیح انسانیت بھی نصیب نہ ہوگی، جو لوگ خدا کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم سے دُور ہیں کیسے ہی مہذب سمجھے جاتے ہوں مگر بے حیا اور ناپاک تو ضرور ہی ہوتے ہیں، یہ یورپ و امریکہ کے مہذبین اور ان کے معتقدین پاخانہ کے بعد کاغذ سے پونچھ کر پانی سے بھرے ہوئے ٹب میں لیٹ جاتے ہیں، یعنی ناپاکی لگا ہوا جسم لے کر پانی میں گھس جاتے ہیں، پیشاب کھڑے ہو کر کرتے ہیں جس سے جسم اور کپڑوں پر چھینٹیں پڑتی ہیں، اور پیشاب کے بعد دھونے اور سکھانے کا تو ان کو دھیان ہی نہیں، پیشاب کیا اور چل دیئے،

بے حیائی کا یہ حال ہے کہ کلبوں میں ننگے ناچتے ہیں، اور ماں بہنوں کا پہناوا صرف ایک فراک بنا دیا ہے، پاجامہ [illegible] بالکل غائب ہے، گھر کے مرد و عورت سب ہی ایک دوسرے کی رانیں دیکھ کر لذت اندوز ہوتے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ جو علومِ نبوت سے ہٹا صحیح انسانیت ہی سے خالی ہوتا چلا گیا، اہلِ عقل کا فیصلہ ہے کہ صحیح انسانیت ہی کا دوسرا نام اسلام ہے،

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر طرح کے اخلاق و آداب اور ہر قسم کے احکام سکھایا کرتے تھے، استنجے کے چند احکام اس حدیث پاک میں ذکر فرمائے ہیں، اور بے شمار احکام و آداب دوسری احادیث میں

مذکور ہیں، اگر آپؐ نہ سکھاتے تو کون سکھاتا؟ جس طرح باپ اپنے بچہ کو ناک صاف کرنا بھی بتاتا ہے، استنجاء بھی سکھاتا ہے، کمربند باندھنے کی بھی تعلیم دیتا ہے اور تعلیم دینے میں نہ جھجکتا ہے نہ گھن لاتا ہے، اسی طرح آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سب کچھ بتایا اور سکھایا، فصلی اللہ تعالےٰ علیہ وآلہ بقدر جمالہ وکمالہ،

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بعض مشرکین نے مذاق اڑاتے ہوئے کہا:۔

اِنِّیْ لَاَرٰی صَاحِبَکُمْ یُعَلِّمُکُمْ حَتّٰی الْخِرَاءَۃَ،

"میں دیکھتا ہوں کہ تمہارا نبی (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) تم کو سب کچھ سکھاتا ہے، حتیٰ کہ ہگنے موتنے کے طریقے بھی بتاتا ہے"

یہ سن کر حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سنجیدگی سے جواب دیا کہ ہاں (انھوں نے ہم کو سب کچھ بتایا وہ نہ بتاتے تو ہم کیسے جانتے؟) انھوں نے ہم کو بتایا ہے کہ (استنجے کے وقت) قبلہ کو منہ نہ کریں، اور داہنے ہاتھ استنجاء نہ کریں (الحدیث)

علمائے کرام نبیوں کے وارث ہیں، اُن کو بھی اُمت پر شفیق ہونا چاہئے اور تعلیمات نبویہ (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ) کی روشنی میں ہر طرح کے آداب واخلاق سکھانے چاہئیں، اور ساتھ ہی اُمت کا بھی فریضہ ہے کہ اسلام کے احکام اور اخلاق وآداب علمائے کرام سے سیکھے، اور آداب سکھانے اور بتانے پر علمائے اسلام کا مذاق اُڑا کر حضرت سلمانؓ پر اعتراض کرنیوالے مشرک کا نمونہ نہ بنے،

# عِلم چھپانا

(۳۸) وَعَنْهُ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سُئِلَ عَنْ عِلْمٍ عَلِمَهٗ ثُمَّ کَتَمَهٗ اُلْجِمَ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ بِلِجَامٍ مِّنْ نَّارٍ،

(رواہ احمد وابوداؤد)

"حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس سے علم کی کوئی بات پوچھی گئی جس کا اُسے علم ہے پھر اُس نے اس کو چھپایا (یعنی سائل کو نہ بتایا) تو قیامت کے دن اس کے مُنہ میں آگ کی لگام ڈالی جائے گی۔"

علمِ دین عمل کرنے اور پھیلانے کے لئے ہے، جہاں تک ہوسکے محنت وکوشش سے تعلیم وتبلیغ کے ذریعہ پھیلانا چاہئے، اور اگر کوئی شخص دینی بات معلوم کرنا چاہے تو جاننے والے پر واجب ہوجاتا ہے کہ اُسے بتادے، اگر نہ بتایا تو سخت گنہگار ہوگا، اور حدیث شریف کی سچی خبر کے مطابق قیامت کے روز علم چھپانے کی پاداش میں آگ کی لگام مُنہ میں لگائی جائے گی، جس وقت مسئلہ بتانے کے لئے مُنہ کھولنے کی ضرورت تھی، اُس وقت مُنہ کو تالا لگالیا اور گونگا بن گیا، لہٰذا اب (قیامت کے دن) جبکہ تعلیم وتبلیغ کا موقع نہیں رہا، اب مُنہ کھُلا رکھنے کی کیا ضرورت ہے؟ اُس وقت خاموشی کا قفل لگایا اب آگ کی لگام لگاؤ، اور لگام کو شاید یہ بتانے کے لئے اختیار کیا گیا کہ جس طرح جانور بے فیض ہوتے ہیں اور

تعلیم و تبلیغ نہیں کرسکتے، اسی طرح علم دین کے جاننے والے نے جب وقت ضرورت فیض نہ پہونچایا تو جانوروں والی صفت اختیار کی، قرآن شریف کے اندر متعدد آیات میں علمائے یہود کی اس حرکت بد کی مذمت فرمائی ہے کہ وہ علم چھپاتے تھے،

**تنبیہ:۔** جس طرح علم چھپانا گناہ ہے، اسی طرح مسئلہ معلوم نہ ہوتے ہوئے اٹکل سے بتانا گناہ ہے، اسی لئے حدیث شریف میں لفظ عِلْمَہٗ بڑھا دیا ہے،

## بغیر علم کے فتوے دینا

(۳۹) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اُفْتِیَ بِغَیْرِ عِلْمٍ کَانَ اِثْمُهٗ عَلٰی مَنْ اَفْتَاهُ وَمَنْ اَشَارَ عَلٰی اَخِیْهِ بِاَمْرٍ یَعْلَمُ اَنَّ الرُّشْدَ فِیْ غَیْرِهٖ فَقَدْ خَانَهٗ،

(رواہ ابوداؤد)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جسکو بغیر علم کے فتویٰ دیا گیا (اور اس نے اس پر عمل کرکے غلط کام کرلیا) تو اس کا گناہ اس پر ہوگا جس نے اس کو فتویٰ دیا اور جس نے کسی کام کے سلسلے میں اپنے بھائی کو ایسا مشورہ دیدیا جس کے متعلق وہ جانتا ہے کہ بہتری اس کے علاوہ دوسرے مشورہ میں ہے تو اس نے اپنے بھائی کی خیانت کی،،

اس حدیث پاک میں بغیر علم کے مسئلہ بتلانے کی وعید سے آگاہ فرمایا ہے،
(اوّل تو مسئلہ معلوم کرنے والے پر لازم ہے کہ ہر ڈاڑھی والے کو دیکھکر عالم و مفتی سمجھتے ہوئے مسئلہ معلوم کرنے نہ لگ جائے، بلکہ جس کے بارے میں اہلِ علم اور اہلِ تجربہ گواہی دیتے ہوں کہ عالم اور مفتی ہے ایسے شخص سے مسئلہ دریافت کرے، پھر اگر کسی نے لاعلمی میں ایسے شخص سے مسئلہ معلوم کرلیا جس کو علم نہیں ہے تو جس سے پوچھا ہے اس پر لازم ہے کہ اگر مسئلہ نہ جانتا ہو تو صاف کہہ دے کہ مجھے معلوم نہیں، اٹکل اور گمان سے ہرگز نہ بتاوے اگر غلط مسئلہ بتادیا اور سائل نے اس پر عمل کرلیا، تو اس کا گناہ اس جاہل مفتی پر ہوگا، اور جب تک وہ اس پر عمل کرتا رہے گا اور دوسروں کو بتاتا رہیگا اس کا وبال غلط فتویٰ دینے والے پر پڑتا رہے گا،)

اس زمانے میں لوگ مسئلہ بتلانے کی ذرا ذمہ داری محسوس نہیں کرتے جہاں ایک دو کتاب پڑھ لی مسائل کے دریا بہانے لگے، اگر کسی بڑے عالم و محقق و مفتی کے پاس کوئی سائل مسئلہ معلوم کرنے پہونچ جائے تو عالم و مفتی غور و فکر میں لگ جاتا ہے، اور مجلس میں بیٹھے ہوئے نیم ملّا بتا کر ختم بھی کر دیتے ہیں، اور اب تو یہ مصیبت سوار ہوگئی ہے کہ علماء کو چھوڑ کر مغرب زدہ عربی داں فتویٰ دینے کو اپنا کام سمجھنے لگے ہیں، اور چونکہ قرآن و حدیث سے نابلد ہیں اس لئے جو نفس کہتا ہے اور یورپ کے مزاج سے جو چیز جچتی ہے اسی کو شریعت اسلامیہ بتانے کی ناپاک کوشش کرتے ہیں،

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اے لوگو! جس کو علم کی بات معلوم ہو اسے چاہیئے کہ بتا دیوے اور جسے معلوم نہ ہو اسے چاہیئے کہ کہہ دیوے اَللّٰہُ اَعْلَمُ (یعنی اللہ خوب جاننے والا ہے مجھے معلوم نہیں) کیونکہ جس بات کا علم نہ ہو اس کے متعلق یہ کہہ دینا کہ میں نہیں جانتا، یہ بھی علم کی بات ہے[1]،

(حضرت شعبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ لَا اَدْرِیْ (میں نہیں جانتا) نصف علم ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ عالم کی ڈھال لَا اَدْرِیْ ہے)

حضرت ابراہیم بن ادہم رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ شیطان کے لئے اس عالم سے بھاری کوئی چیز نہیں ہے جو علم کے ساتھ بولتا ہے، اور علم کی روشنی میں خاموش ہو جاتا ہے، ایسے عالم کے متعلق شیطان کہتا ہے کہ اس کی خاموشی میرے اُوپر اس کے بولنے سے زیادہ بھاری ہے،

حضرت ابراہیم تیمی رحمہ اللہ تعالیٰ سے جب کوئی مسئلہ دریافت کیا جاتا تھا تو رونے لگتے تھے، اور فرماتے کیا تم کو میرے علاوہ کوئی نہ ملا جو میرے پاس آنا پڑا،[2]

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم باوجودیکہ اعلم الخلائق تھے جب کوئی بات معلوم نہ ہوتی تھی تو جواب دینے میں توقف فرماتے، اور وحی آنے کے بعد جواب دیتے، ایک بار ایک یہودی نے دریافت کیا کہ زمین میں

---

[1] مشکوٰۃ شریف ۱۲ [2] احیاء العلوم ۱۲

سب جگہوں سے بہتر کون سی جگہیں ہیں؟ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جبرئیل ؑ کے آنے تک ٹھیر (ان سے پوچھ کر بتایا جاوے گا) وہ یہودی خاموش رہا، اور (تھوڑی دیر میں) حضرت جبریل علیہ السلام حاضر خدمت ہوئے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اُن سے وہ بات دریافت کی، جو یہودی نے پوچھی تھی، سوال سُنکر انھوں نے عرض کیا کہ میں اور آپ اس بارے میں برابر کے لاعلم ہیں، میں رب تبارک و تعالیٰ سے دریافت کرتا ہوں اس کے بعد حضرت جبرئیل علیہ السلام جب باری تعالیٰ سے دریافت کر کے حاضر ہوئے تو بتایا:۔

شَرُّ الْبِقَاعِ اَسْوَاقُهَا وَخَيْرُ الْبِقَاعِ مَسَاجِدُهَا،

"سب سے بُری جگہیں بازار ہیں اور سب سے بہتر جگہیں مساجد ہیں"[۱]

حضرات صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین فتویٰ دینے میں بہت احتیاط برتتے تھے، عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ تابعیؒ کا بیان ہے کہ میں نے اس مسجد (یعنی مسجدِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) میں ایک سو بیس ۱۲۰ صحابہؓ کو اس حال میں پایا ہے کہ جب اُن میں سے کسی ایک سے حدیث یا کوئی مسئلہ دریافت کیا جاتا تو ہر ایک کی یہ خواہش ہوتی تھی کہ میرے علاوہ دوسرے بھائی سے دریافت کر لیتا تو اچھا تھا،

ایک روایت میں اس طرح ہے کہ جب اُن میں سے کسی سے دریافت کیا جاتا تو وہ سائل کو دوسرے کے پاس بھیج دیتا اور وہ تیسرے کے پاس

---

[۱] مشکوٰۃ شریف،

اور تیسرا چوتھے کے پاس، حتیٰ کہ وہ سائل گھوم پھر کر اُسی کے پاس پہونچ جاتا تھا جس سے سب سے پہلے دریافت کیا تھا،

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جب سوال کیا جاتا تو فرماتے تھے کہ

سَلُوْا مَوْلَانَا الْحَسَنَ رحمہ

"ہمارے سردار حسنؒ (بصری) سے معلوم کرلو"

اور جب حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے دریافت کیا جاتا تو فرماتے کہ حارثہ بن زیدؓ سے معلوم کرلو، اور جب حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے سوال ہوتا تو فرماتے تھے کہ سعید بن المسیبؒ سے معلوم کرلو،

ابن حصینؒ نے اپنے زمانے کے عالموں کے متعلق فرمایا کہ یہ لوگ بعض ایسے (مسائل میں (تنہا) فتویٰ دیدیتے ہیں کہ اگر وہ مسئلہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت کیا جاتا تو وہ اس کے لئے اہل بدر کو جمع کر کے دریافت فرماتے [۲]

حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ بعض مسائل کے بارے میں عمر بھر فیصلہ نہ کرسکے، [۳]

احیاء العلوم میں ہے کہ حضرت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ سے ایک بار ۴۸ مسائل دریافت کئے گئے تو صرف چھ کا جواب دیدیا اور باقی ۴۲ کے متعلق فرمادیا کہ مجھے معلوم نہیں،

---

[۱] حضرت حسن بصریؒ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے شاگرد تھے ۱۲

[۲] احیاء العلوم [۳] منہا مسئلۃ الدہر کما ہو معروف بین اہل العلم ۱۲

اگر مسئلہ معلوم ہو تب بھی جہاں تک ہو سکے کتاب دیکھ کر زبانی یا تحریری جواب دینا چاہیے، بڑے عالم کی نشانی ہے کہ جواب دینے میں جلدی نہ کرے، اور خوب فکر اور مطالعہ کے بعد جواب دے، اگر معلوم نہ ہو تو دوسرے عالم کے پاس بھیجدے، جیسا کہ حضراتِ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا معمول تھا،

عالم و مفتی کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ اگر مسئلہ بتانے میں بھول چوک ہو گئی اور غلط بتا دیا تو علم ہوتے ہی فوراً رجوع کر لیوے، یعنی غلطی کا اقرار کر لیوے، اور جس کو بتایا تھا اس کو غلطی سے باخبر کر دے،

ایک مرتبہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسئلہ بیان فرمایا کہ جس پر جنابت کا غسل فرض ہوا اور صبح ہونے تک غسل نہ کیا تو اب روزہ نہ رکھے (یعنی اس صورت میں اس کا روزہ نہ ہوگا) جب حضرت عائشہ اور حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اس مسئلہ کی تحقیق کی گئی تو انھوں نے اس کے خلاف بتایا اور جواب دیا کہ رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جنابت کی حالت میں صبح ہو جاتی تھی، اور آپ روزہ رکھ لیتے تھے، اور یہ جنابت احتلام کی نہیں بلکہ مجامعت کی ہوتی تھی، جب حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مؤمنین کی دونوں ماؤں کے فتوے اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عمل کا پتہ چلا تو فرمایا کہ وہی زیادہ جانتی ہیں، مجھے تو فضل بن عباس (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) نے وہ بتایا جو میں نے فتویٰ دیا ہے، میں نے خود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نہیں سنا ہے، یہ فرما کر اپنے فتوے سے رجوع فرما لیا[1]

---

[1] جمع الفوائد عن ابی بکر بن عبد الرحمٰن بحذف تفصیل الفقہ ۱۲

اس طرح کے بہت سے واقعات حضرات صحابہؓ اور تابعین اور ائمہ مجتہدین سے منقول ہیں،

حدیث کے دوسرے حصہ میں فرمایا کہ جس نے اپنے بھائی کو کوئی مشورہ دیا اور اپنے دل میں اس سے بہتر مشورہ جانتا ہو تو اس نے اپنے بھائی کی خیانت کی، مطلب یہ ہو کہ امانت وخیانت صرف روپیہ پیسہ ہی میں نہیں ہوتی، بلکہ مصلحت کے خلاف مشورہ دینا بھی خیانت ہے، جب کسی نے تم سے مشورہ طلب کیا تو تم کو اپنا ہمدرد سمجھا، اب تم کو لازم ہے کہ اگر مشورہ دو تو وہی مشورہ دو جو اس کے حق میں بہتر ہو، بہتری کے خلاف مشورہ دینا خیانت ہوگا،

# علمائے حق اور علمائے سوء کے اوصاف و احوال

(۴۰) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ تَعَالٰى صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اُنَاسًا مِّنْ اُمَّتِيْ سَيَتَفَقَّهُوْنَ فِي الدِّيْنِ وَيَقْرَءُوْنَ الْقُرْاٰنَ وَيَقُوْلُوْنَ نَاْتِي الْاُمَرَاءَ فَنُصِيْبُ مِنْ دُنْيَاهُمْ وَ نَعْتَزِلُهُمْ بِدِيْنِنَا وَلَا يَكُوْنُ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہو کہ رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ میری امت میں ایسے لوگ بھی ہوں گے جو دینی علم حاصل کریں گے اور قرآن پڑھیں گے اور حکومت والوں کے پاس جائیں گے (تاکہ ان سے مال حاصل کریں) اور (من سمجھانے کے لئے) کہیں گے کہ ہم اصحابِ حکومت کے پاس جاتے ہیں

ذٰلِكَ كَمَا لَا يُجْتَنٰى مِنَ الْقَتَادِ اِلَّا الشَّوْكُ كَذٰلِكَ لَا يُجْتَنٰى مِنْ قُرْبِهِمْ اِلَّا قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ الصَّبَاحِ كَاَنَّهٗ يَعْنِي الْخَطَايَا، (رواه ابن ماجة)

اور اُن کی دنیا میں سے وصول کرلیتے ہیں اور اپنا دین سلامت لیکر چلے آتے ہیں، حالانکہ ایسا ہو نہیں سکتا ہے (کہ اصحابِ حکومت کے پاس جائیں اور اپنا دین سلامت رکھ سکیں) جس طرح کہ قتاد[1] سے کانٹے کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا اسی طرح اصحابِ حکومت کی نزدیکی سے رگناہوں کے سوا) کچھ حاصل نہ ہوگا۔

علم دین اس لئے ہے کہ اس کی روشنی میں عالم دین اپنی آخرت سنوارے اور زیادہ سے زیادہ قربِ خداوندی حاصل کرے، اور اللہ تعالیٰ کے بندوں کی رہ نمائی کرکے اُن کا رُخ بھی آخرت کی طرف موڑے اور اعمالِ آخرت پر ڈالنے کی کوشش کرے، لیکن اگر عالم دین خود ہی آخرت سے غافل ہو اور مال وجاہ سے محبت کرتا ہو تو علم اُس کے لئے وبال ہے۔

علمائے حق علم پر عمل کرتے ہیں، آخرت سے محبت رکھتے ہیں، اہلِ دنیا کو مُنہ نہیں لگاتے، ان کو بڑا نہیں سمجھتے، مسائل بتانے میں کسی حاکم یا دولت مند کی رعایت نہیں کرتے، ہمیشہ حق بولتے ہیں، اظہارِ حق کے سلسلے میں نہ کسی سے ڈرتے ہیں نہ جھجکتے ہیں، نہ لگی لپٹی چکنی چپڑی باتوں سے دنیاداروں کو خوش کرنا جانتے ہیں، اُن کا تعلق اللہ سے ہوتا ہے، اُسی سے ڈرتے ہیں اور اسی سے امید رکھتے ہیں، اسی پر توکل کرتے ہیں، اور اسی کے بھروسے

[1] ایک کانٹے دار درخت کا نام ہے ۱۲

جیتے ہیں، صبر و شکر کے ساتھ جو حلال رزق رُوکھا سوکھا ملا، کھالیا، موٹا جھوٹا جو میسر آیا پہن لیا، اور اچھا کھانے پینے اور پہننے سے بھی ضد نہیں ہوتی اللہ کے فضل و کرم سے مل گیا تو نعمتِ خداوندی سمجھ کر استعمال کر لیا، مگر اچھی چیزوں اور لذتوں اور چٹخاروں کی حرص و طلب نہیں رکھتے ہیں، صبر و قناعت کا مزاج ان کو حق گوئی، بے باکی، اور جاں بازی اور تعلیمی و تبلیغی محنت پر جمائے رکھتا ہے،

اور جس عالم کو لیڈری کی ہوس ہو گئی یا مال جمع کرنے کا خیال جم گیا یا عوام میں نام چلنے کا فکر لگ گیا تو ان مقاصد کے لوازم اس کو بے عمل بھی بنا دیں گے اور علم بھی کھو دیں گے، کیونکہ اس کو لیڈری چمکانے اور شہرت حاصل کرنے کے لئے ایسی باتیں کرنا لازمی ہو گا جن سے عوام خوش ہوں اور خدا کو خوش رکھنا اس کے خیال ہی میں نہ رہے گا، تقریر و تحریر اور رفتار و گفتار میں حق چھپانا، مداہنت سے کام لینا، تاویلیں کر کے ناحق کو حق کر کے دکھانا اور قرآن و حدیث کے اوامر و نواہی کے بجائے عوامی جذبات کو لبھانے والے قصوں، کہانیوں، نغموں اور نظموں سے کام چلانا اس کا شیوہ بن جائے گا، لذّتوں اور چٹخاروں کے لئے نیز مال حاصل کرنے کے لئے مال داروں اور حکومت والوں کے پاس پہونچنا ہو گا، شروع میں تو ذرا جھجک محسوس ہو گی کہ میں عالمِ دین ہو کر اہلِ دنیا کے پاس کیوں جاؤں؟ لیکن نفس حیلے بہانے اور تاویلیں سجھا کر اہلِ دنیا کی بارگاہوں کا زیارت کرنے والا بنا دے گا، اگر ہمت کر کے کوئی اہلِ دل ہدایت کرنے لگے تو اس کو جواب دیں گے کہ

میاں! ہم جو امیروں اور دولت مندوں کے پاس جاتے ہیں تو نہ اُن کے لہو و لعب میں شریک ہوتے ہیں نہ ہمارے نماز روزے میں کوئی فرق آتا ہے، دین ہمارا محفوظ رہتا ہے، اور ہماری دنیا کا کچھ انتظام ہو جاتا ہے، ایسی ملاقات میں تو کوئی نقصان نہیں ہے،

اس حدیث میں اسی ذہنیت کی تردید فرمائی ہے، کہ ایسا خیال کرنا غلط ہی، جس کے پاس حاجت لے کر جاؤ گے اس کا اثر تم قبول کرو گے، اور جو تمہارے پاس دینی حاجت لے کر آئے گا وہ تمہارا اثر قبول کرے گا، جس سے کچھ ملنے کی امید ہو اس کے سامنے کلمۂ حق کہنے میں نفس کترائے گا، اور اس ڈر سے کہ ناراض ہو جائے گا تو کچھ نہ دے گا ہرگز زبان نہ کھلے گی، اپنی غرض کی وجہ سے مسئلہ کو تاویل کرکے ہلکا کرنا ہو گا، اور چونکہ مال میں سے کچھ لینا ہے اس لئے حرام مال کو حرام نہ کہہ سکو گے، بعض مرتبہ نمازِ باجماعت کا وقت ہو جائے گا تو اس خیال سے جماعت چھوڑ کر دولتمند کی بارگاہ میں بیٹھے رہو گے، کہ حضور شاید کہیں چلے جائیں، اور مجھے کچھ نہ مل سکے، غرضکہ اہلِ علم کا اہلِ دنیا کے پاس کچھ حاصل کرنے کے لئے جانا اور یہ سمجھنا کہ ہمارا دین محفوظ رہی گا بالکل غلط ہے، کانٹے دار درخت سے جس طرح کانٹوں کے سوا کچھ نہ ملے گا، اسی طرح اہلِ دنیا سے سوائے گناہ کے کچھ ہاتھ نہ لگے گا، اگر کچھ مال مل گیا تو اوّل تو پاک نہ ہو گا، اور اگر اس مال پر حرام کا فتویٰ نہ لگ سکے گا تو یہ کم سے کم ہو گا کہ عالم صاحب اپنا دین قربان کرکے ہی کچھ لے سکیں گے، اس کے بغیر نہیں،

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ :-

لو آن اهل العلم صانوا العلم ووضعوه عند اهله لسادوا
به اهل زمانه ولكنهم بذلوه لاهل الدنيا لينالوا
به من دنياهم فهانوا عليهم سمعت نبيكم صلى
الله تعالى عليه وسلم يقول من جعل الهموم
هما واحدا هم آخرته كفاه الله هم دنياه ومن
تشعبت به الهموم احوال الدنيا لم يبال الله في
اي اوديتها هلك۔ (مشکوٰۃ شریف)

"اہلِ علم اگر علم کی آبرو رکھتے اور اس کو (علمی ذمہ داری کے احساس کے ساتھ) ان لوگوں میں رکھتے جو علم کے اہل ہیں، تو یہ حضرات علم کی وجہ سے اپنے زمانہ کے سردار بن جاتے، لیکن (انھوں نے علمی ذمہ داری کے احساس سے زیادہ جاہ و مال حاصل کرنے کا خیال رکھا، لہٰذا) اپنے علم کو اہلِ دنیا کے لئے خرچ کر دیا، جس کی وجہ سے اہلِ دنیا کی نظر میں ذلیل ہو گئے، (اور وجہ اس ذلت برداری کی دنیا سے محبت اور آخرت سے بے رغبتی ہے) میں نے تمہارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جس نے تمام فکروں کو ایک ہی فکر بنا دیا، یعنی فکرِ آخرت، اللہ تعالیٰ اس کے دنیاوی تفکرات کے لئے کافی ہو جائیں گے، اور جو شخص دنیاوی حالات کے لئے طرح طرح کے فکروں میں پڑ گیا اللہ تعالیٰ اس کے متعلق کچھ پرواہ

یہ جو فرمایا کہ علماء نے اپنے علم کو اہلِ دنیا کے لئے خرچ کر دیا تاکہ ان کی دنیا سے کچھ حاصل کرلیں، اس ارشاد کے دو مطلب ہو سکتے ہیں؛

ایک یہ کہ علمی قوت کو بے جا تاویلوں میں خرچ کر کے دولت اور حکومت والوں کو خوش کیا، اور مسائل کو ان کی خواہش وطبیعت کے مطابق نرم وسہل کر کے پیش کیا، تاکہ اُن سے تعلق برقرار رہے، اور جو ملتا ہے ملتا رہے،

دوسرا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ علم پہنچانے میں حقیقی طلبگاروں اور دین کے جاں نثاروں، فقیروں، غریبوں کو چھوڑ کر مال داروں کے دروازوں پر پہونچنے کو ترجیح دی، مدرسہ میں بیٹھکر پڑھائیں تو پیسہ کم ملتا ہے، مگر جو عالم بننے کے اہل ہیں ان کو علم پہنچتا ہے، اور در دروازہ پہنچ کر گھنٹہ آدھ گھنٹہ ٹیوشن کرتے ہیں، تو روپیہ خوب ملتا ہے، اب چونکہ پیسہ سے محبت ہے، صبر وقناعت سے گزارنے کی عادت نہیں، اس لئے ٹھوکریں کھاتے پھرتے ہیں، جن کے گھر پڑھانے جاتے ہیں وہ اور ان کے بچے ایک نوکر سے زیادہ نہیں سمجھتے، انگریزی کے ماسٹر کو ایک گھنٹہ ٹیوشن کرنے کے تیس روپے ماہانہ ملتے ہیں، اور مولوی صاحب کو ایک گھنٹہ قرآن شریف یا عربی پڑھانے پر پانچ روپے ماہوار دیئے جاتے ہیں، یہ ذلت اس لئے ہوئی کہ مولوی صاحب طالب اور محتاج بن کر پہونچے،

اللہ تعالیٰ آخرت کے طلبگاروں کو چاہتے ہیں، دنیا اور اہلِ دنیا اللہ تعالیٰ کے نزدیک ناقابلِ توجہ ہیں، جو شخص آخرت کی فکر میں لگے گا اس کو اللہ تعالیٰ سکون واطمینانِ قلب نصیب فرمائیں گے، اور

غیب سے اس کی ضرورتیں پوری فرمائیں گے،

علمائے حق کا یہی شیوہ ہے کہ خدمتِ دین میں لگ جاتے ہیں، اور آخرت کے لئے سب کچھ کرتے ہیں، دینی تقاضوں کے پیش نظر گو بعض مرتبہ حکومت کے عہدیداروں یا مالداروں کے پاس بھی پہنچے ہیں، مگر چونکہ اپنی غرض دنیوی لے کر نہیں جاتے، اس لئے نہ خود ذلیل ہوتے ہیں، نہ دین کا نقصان برداشت کرنا پڑتا ہے، دنیا کے لئے مالداروں کے پیچھے پیچھے لگے نہیں پھرتے، اور ان کو اپنا آقا نہیں سمجھتے، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

نعم الرجل الفقیہ فی الدین ان احتیج الیہ نفع وان استغنی عنہ اغنی نفسہ۔ (رزین)

اچھا آدمی ہے ایسا عالم دین کہ اگر اس کے پاس ضرورت مند آیا تو اس نے نفع پہونچایا اور اگر اس سے بے نیازی برتی گئی تو اس نے (بھی) اپنے نفس کو بے نیاز کر دیا (دنیا کے لئے اہلِ دنیا سے چپکا نہ رہا)

امت کو جب کبھی فیض پہونچا ہے آخرت سے محبت رکھنے والے اور دنیا سے بے رغبت رہنے والے علماء ہی سے پہونچا ہے، یہ بڑی بڑی تصانیف علمائے آخرت ہی کی ہیں، اور حقیقت و معرفت کی باتیں دنیا سے دل ہٹانے والوں ہی کو نصیب ہوتی ہیں،

حدیث شریف میں ہے:۔

إِذَا رَأَيْتُمُ الْعَبْدَ يُعْطَى زُهْدًا فِي الدُّنْيَا وَقِلَّةَ مَنْطِقٍ فَاقْتَرِبُوا مِنْهُ فَإِنَّهُ يُلَقَّى الْحِكْمَةَ،

(مشکوٰۃ شریف)

"جب تم بندہ کو دیکھو کہ اس کو دنیا سے بے رغبتی کی دولت دی گئی اور کم بولنے کی عادت ہوگئی تو اس کے قریب ہوجاؤ، کیونکہ اس کو حکمت دی جاتی ہے"

علمائے آخرت ہمیشہ دنیا اور اہل دنیا سے دور بھاگے، اُن کی دنیا کو بہ نظرِ حقارت دیکھا، اُن کے دربار کی حاضری کو معیوب جانا،

حضرت امام مالکؒ کسی دینی ضرورت سے خلیفۂ وقت ہارون الرشید کے پاس تشریف لے گئے، ہارون نے عرض کیا کہ آپ یہاں آکر ہمارے بچوں کو اپنی کتاب مؤطا سُنا دیا کریں، امام صاحبؒ نے فرمایا اے امیر! آپ ہی حضرات سے علم نکلا ہے،ؔ آپ علم کو عزت دیں گے تو باعزت رہے گا، اور ذلیل کردیں گے تو ذلیل ہوجائے گا، علم ایسی چیز ہے کہ اس کے پاس جانا چاہئے، اس کا یہ کام نہیں کہ خود جاتا پھرا کرے،

یہ سُن کر ہارون نے حضرت امام صاحبؒ سے کہا کہ آپ نے سچ فرمایا، اور اپنی اولاد سے کہا کہ تم مسجد میں جاکر سب کے ساتھ شریک درس ہوا کرو،

---

ؔ ہارون رشید بنو عباس میں سے تھے اس لئے ایسا فرمایا ۱۲

ہارون الرشید نے ایک مرتبہ حضرت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کو تین ہزار دینار گھر خریدنے کے لئے دیئے، اور پھر جب ہارون رشید مدینہ طیبہ سے روانہ ہونے لگے تو حضرت امام صاحبؒ سے عرض کیا کہ آپ میرے ساتھ چلیں، حضرت امام صاحبؒ نے فرمایا کہ میں مدینہ منورہ کو نہیں چھوڑوں گا، آپ کی رقم رکھی ہے، واپس لے سکتے ہیں، مطلب یہ تھا کہ تم کو ساتھ لے چلنے کی جرأت اسی لئے ہوئی کہ کچھ سلوک کر دیا ہے،

حضرت امام ابو حنیفہؒ کے متعلق جہم بن ہشام ثقفی نے بیان کیا کہ بادشاہِ وقت نے اپنے خزانوں کی کنجیاں اُن کے سپرد کرنی چاہیں، انھوں نے انکار کر دیا، تو اس نے آپ کو کوڑوں کی سزا دی، حضرت امام صاحبؒ نے کوڑے کھائے، مگر حاکمِ بیت المال بننا منظور نہ فرمایا، جب حضرت عبداللہ بن مبارک کی مجلس میں امام صاحبؒ کا ذکر آیا تو فرمایا تم ایسے شخص کا ذکر کر رہے ہو جس کو دنیا پورے ساز و سامان کے ساتھ پیش کی گئی اور وہ اس سے دُور بھاگ گیا،

ایک مرتبہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہوا کہ خلیفۂ وقت منصور نے میرے لئے دس ہزار کی رقم بھیجنے کا ارادہ کیا ہے، جب قاصد کے آنے کا وقت ہوا تو کپڑا لپیٹ کر لیٹ گئے، اور قاصد سے ٹھیک طرح بات بھی نہ کی، اور فرمایا کہ گھر کے کونے میں اس تھیلے کے اندر بھر دو، جب حضرت امام صاحبؒ کی وفات ہونے لگی تو اپنے صاحبزادے کو وصیت فرمائی کہ یہ رقم یوں کہہ کر واپس کر دینا کہ ابو حنیفہؒ کے پاس

جو تم نے امانت رکھی تھی واپس لے لو،[۱]

(امیرِ بخارا خالد بن احمدؒ نے حضرت امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کے پاس آدمی بھیجا کہ اپنی کتاب (بخاری شریف) لے کر آؤ اور مجھے سناؤ، آپ نے جواب میں کہلا بھیجا کہ میں علم کو ذلیل نہیں کرتا ہوں، اور اُسے دروازوں پر لئے پھرتا میرا کام نہیں، تم کو ضرورت ہے تو میرے گھر یا مسجد میں آکر سنو،[۲])

دراصل عالم وہی ہے جس کے طرزِ عمل سے دنیا کی بے ثباتی کا یقین ٹپکتا ہو، حقیر دنیا کے لئے آخرت کو قربان نہ کرتا ہو، اور جو یہ یقین رکھتا ہو کہ دنیا و آخرت آپس میں دو سوکنیں ہیں، جو شخص آخرت کی عظمت اور ہمیشگی اور بے مثل نعمتوں اور لذتوں کو جانتا ہوگا، حقیرِ دنیا اور اہلِ دنیا پر اس کی نظر کیوں جمنے لگی؟

قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيلٌ ۚ وَالْآخِرَةُ
خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقَىٰ وَلَا تُظْلَمُونَ فَتِيلًا ○

---

[۱] حضرت امام مالک اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمہما اللہ تعالیٰ کے یہ واقعات احیاء العلوم میں لکھے ہیں ۱۲ [۲] الاکمال لصاحب المشکوٰۃ ۱۲

# خاتمۃ الکتاب

چالیس حدیثیں مع ترجمہ و تشریح ختم ہوگئیں، فالحمد للہ الذی بنعمتہ وعزتہ وجلالہ تتم الصالحات، تمام مسلمانوں سے گذارش ہے کہ دینی علوم کے سیکھنے سکھانے اور پڑھانے کا چرچا کریں، دین کی ضرورت کو حقیقی ضرورت سمجھیں ہر مرد و عورت، امیر و غریب، آقا و ملازم، تاجر و سوداگر، کاشتکار و کسان، حاکم و محکوم جو بھی ہو اور جہاں بھی ہو اور جس حال میں بھی ہو اپنے اپنے مشغلہ کے متعلق شرعی احکام معلوم کرکے عمل کرے،

عقائد کی درستگی اور نماز کے مسائل و معلومات اور وہ تمام اعمال و اشغال جو روزانہ انجام دیئے جاتے ہیں ان کے متعلق پوری طرح دینی معلومات حاصل کرنا لازم ہے، اپنی اولاد کو دینی تعلیم و تربیت کے ذریعے اس حد تک احکام اسلام سے ضرور واقف کرادیں کہ جو چیزیں فرض عین ہیں اور جو روزانہ پیش آتی ہیں اور جن کے متعلق غالب گمان ہو کہ زندگی میں اُن کا مشغلہ رہے گا اُن کے متعلق احکام و مسائل جان جائیں،

ایسے علماء کا وجود میں لانا امت کے ذمہ فرض کفایہ ہے کہ جو اصولِ دینیہ اور مسائل شرعیہ سے پوری طرح واقف ہوں، تفسیر و حدیث اور فقہ میں ماہر ہوں، اُمت کو جب ضرورت پڑے تو ہر شعبۂ زندگی اور ہر موقع و مقام اور ہر حال کے متعلق حکم شرعی بتا سکیں، اور حوادث و نوازل کے متعلق اصول و فروع کو سامنے رکھ کر فتاویٰ لکھ سکیں، اور ایسے علماء کا اس قدر

کثیر تعداد میں موجود ہونا لازم ہے کہ ہر علاقہ کے مسلمانوں کی علمی دینی ضرورت پوری ہوسکے،

عورتوں کو دینی تعلیم و تربیت کے ذریعے دیندار بنانا اور رواجی رسوم و بدعات سے پاک کرنا بھی بہت بڑی ذمہ داری ہے، بچیوں کو محلہ کے اندر گھروں میں دینی تعلیم دلانے کا اہتمام کریں، اور بڑی عمر کی بے علم اور بے عمل عورتوں میں پردہ کے اہتمام کے ساتھ متقی اور صالح علماء کا وعظ کہلایا کریں اور تعلیمی حلقوں کے ذریعہ بھی زبانی اور کتابی تعلیم جاری کریں، زبانی تعلیم یہ ہے کہ ایک دوسرے کو سنا کر نماز وغیرہ صحیح کریں، اور کتابی تعلیم یہ ہے کہ معتبر اور مستند دینی کتاب کوئی عورت سنائے اور باقی خاموشی اور فکر کے ساتھ سنیں۔

مسجدوں میں تعلیمی حلقے قائم کرنا بھی ضروری ہے، ان حلقوں میں بھی زبانی اور کتابی تعلیم دی جائے، اور رسوم و بدعات اور منکرات کی تفصیل سامنے رکھ کر اُن سے بچنے پر زور دیا جائے،

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِنَا وَسَنَدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ الدَّاعِیْنَ اِلَی الصِّرَاطِ الْمُسْتَقِیْمِ وَالدِّیْنِ الْقَوِیْمِ سُبْحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ، وَسَلَامٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ، وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ط

تَمَّتْ بِالْخَیْرِ ط

28/11/2000

FRI: 12:40 PM

21/10/1420

| سورۃ | رکوع | مقام مذکور |
|---|---|---|
| آل عمران | ۱۵ | اَفَاْئِنْ مَّاتَ |
| آل عمران | ۱۷ | لَاِلَی اللّٰہِ تُحْشَرُوْنَ |
| المائدہ | ۵ | اَنْ تَبُوْٓءَ اَبِاِثْمِیْ |
| الانعام | ۴ | مِنْ نَّبَاِی الْمُرْسَلِیْنَ |
| الاعراف | ۱۳ | فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِہٖ |
| توبۃ | ۷ | وَّلَاَاَوْضَعُوْا خِلٰلَکُمْ |
| یونس | ۸ | فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِہٖ |
| یونس | ۹ | فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهِمْ |
| ہود | ۶ | اَلَآ اِنَّ ثَمُوْدَاْ کَفَرُوْا |
| ہود | ۹ | فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِہٖ |
| رعد | ۴ | لِّتَتْلُوَاْ عَلَیْهِمُ |
| کہف | ۲ | لَنْ نَّدْعُوَاْ مِنْ دُوْنِہٖٓ |
| کہف | ۴ | وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَاْیْءٍ |
| کہف | ۵ | لٰکِنَّا۟ هُوَ اللّٰهُ رَبِّیْ |
| الانبیاء | ۳ | اَفَاْئِنْ مِّتَّ |
| المؤمنون | ۳ | فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِہٖ |
| الفرقان | ۴ | وَّعَادًا وَّثَمُوْدَاْ |
| النمل | ۲ | اَوْلَاَاذْبَحَنَّهٗ |
| القصص | ۴ | فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِہٖ |
| العنکبوت | ۲ | عَادًا وَّثَمُوْدَاْ |

1504

...جود ہونا لازم ہے کہ...

| مقامِ مذکور | | سورة |
|---|---|---|
| یَآلِيَرْبُوْا ۟ | ۴ | الروم |
| وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا ۟ | ۲ | الاحزاب |
| وَاَطَعْنَا الرَّسُوْلَا ۟ | ۸ | الاحزاب |
| فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا ۟ | ۸ | الاحزاب |
| لَاِ۠اِلَى الْجَحِيْمِ ۝ | ۲ | الصافات |
| فِرْعَوْنَ وَمَلَا۠ئِهٖ | ۵ | زخرف |
| وَنَبْلُوَا۟ اَخْبَارَكُمْ | ۴ | محمد |
| بِئْسَ الْاِسْمُ الْفُسُوْقُ | ۲ | الحجرات |
| وَثَمُوْدَا۟ فَمَآ اَبْقٰى | ۳ | النجم |
| لَاَ۠نْتُمْ اَشَدُّ رَهْبَةً | ۲ | الحشر |
| سَلٰسِلَا۟ وَاَغْلٰلًا ، | ۱ | الدهر |
| قَوَارِيْرَا۟ قَوَارِيْرَا۟ ۔ بحالتِ وصل یہ الف بھی نہیں پڑھا جائے گا، | ۱ | الدهر |

(الاحزاب کے مقامات پر: بحالتِ وصل الف نہیں پڑھا جائے گا)

علاوہ ازیں جہاں جہاں بھی اَنَا آیا ہے اس کا الف بھی نہیں پڑھنا چاہیے،

یادداشتِ خاص :- جن الفاظ کے نیچے لکیر کھینچدی گئی ہے وہاں الف کے پڑھنے سے معنی بدلتے ہیں، جس سے کفر عائد ہوگا، واللہ الموفق والمعین ۔

فقیر دعاگو

بندہ اصغر حسین حسنی حنفی دیوبندی عفا اللہ تعالٰی عنہ